بیادگار

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت اقدس مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد

نقشبندی مجددی قدس سرہ

قرآن وسنّت اور روایاتِ اسلافِ اُمّت کے آئینہ میں

راہِ تصوّف وسلوک کا قلمی ترجمان!

ماہنامہ

فَیضانِ نَقشبند

جلد (۱) شمارہ (۶) بابت ماہِ ستمبر ۲۰۲۶ء

مُدیر

مفتی سیّد احمد اللہ غوری نقشبندی مجدّدی

خانقاہ نقشبندیہ مجدّدیہ اورنگ آباد

www.ilmozikr.com

مسنون دُعاؤں کے اہتمام سے روحانی ترقّی

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت اقدس مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ

نبی علیہ السلام نے دنیا کے ہر مقصد کے لیے خود ہی ہمیں دعائیں سکھا دیں، تاکہ انسان ان کو موقع بہ موقع مانگ کر اپنی فلاح کا سامان کر سکے۔ جو باتیں ان مسنون دعاؤں میں مانگی گئی ہیں، وہ تو عظیم ہیں ہی؛ لیکن جن الفاظ میں وہ مانگی گئی ہیں، ان میں بذات خود بڑی تاثیر اور بڑا نور ہے۔ انسان اگر خود مانگتا تو اس کی سوچ کبھی اتنی گہرائی کو نہ پہنچ سکتی اور نہ ہی ان الفاظ میں اتنی معرفت ہوتی۔ غور کریں کہ ایک آدمی بیت الخلاء میں جانے لگتا ہے تو وہ دعا پڑھتا ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے، نر ہوں یا مادہ)۔ یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ہم نے گندگی سے پناہ مانگی؛ لیکن نبی ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جنوں سے بھی پناہ مانگو۔ اگر اللہ کے محبوب ﷺ ہمیں نہ سکھاتے تو انسان کی پرواز اتنی نہ تھی کہ وہ جنوں سے بھی پناہ مانگتا۔ چناں چہ یہ مسنون دعائیں انسان کو برکتیں عطا کرتی ہیں، غفلت سے بچا لیتی ہیں اور شیطان سے پناہ میں رکھتی ہیں۔ ان دعاؤں کو پڑھنے سے انسان اللہ کا شکر گزار بندہ بن جاتا ہے۔ (ان دُعاؤں کے اہتمام) کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان کے اندر سے غفلت ختم ہو جاتی ہے (اور) اسے وقوفِ قلبی حاصل ہو جاتی ہے۔ بہت سارے لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ وقوفِ قلبی نہیں رہتا۔ چوں کہ مسنون دعاؤں کی پابندی نہیں ہوتی، اس لیے وقوف قلبی بھی نہیں رہتا۔ ہمارے بعض بزرگوں نے مسنون دعاؤں کی پابندی سے نسبت کا نور حاصل کیا ہے، یہ اتنی اہم ہیں؛ اس لیے ان کو یاد کرنا ضروری ہے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کا بکثرت ورد رکھنے سے انسان روحانی ترقی کی منزلیں اتنی جلدی طے کرتا ہے کہ بڑے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں سے اس کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (تا بہ منزل صرف دیوانے گئے، صفحہ ۵۷ تا ۶۰ ملخصاً)

قرآن وسنّت اور روایاتِ اسلافِ اُمّت کے آئینہ میں
راہِ تصوّف وسلوک کا قلمی ترجمان!

ماہنامہ

فیضانِ نقشبند

جلد(۱) شمارہ(۶) بابت ماہِ ستمبر ۲۰۲۶ء

Volume No.: 1 Issue No.: 6 September 2026

مُدیر

مفتی سیّد احمد اللہ غوری نقشبندی مجدّدی

مجلس ادارت

مفتی سیف اللہ قاسمی رائے چوٹی
مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی
مولانا محمد عمر قاسمی کامار ریڈی

خانقاہ نقشبندیہ مجدّدیہ اورنگ آباد

www.ilmozikr.com

اہم وضاحت

''ماہنامہ فیضان نقشبند کے تمام مضامین دراصل حضرت مدیر محترم مدظلہ کے مختلف بیانات اور دروس کی تحریری ترتیب ہے۔'' (ادارہ)

فہرستِ مضامین

قندیلِ ربانی (درسِ قرآن عظیم الشان)	بدگمانی: قباحت، اثرات اور علاج	ضبط وترتیب: مولانا محمد عمر قاسمی کامارپڈی	۳
نورِ نبوت (درسِ حدیث شریف)	دنیا کی آزمائشیں، سببِ تطہیر ورضا	ضبط وترتیب: مفتی سید عبدالرافع قاسمی	۱۲
سخن اوّلیں	کردار کُشی کے بڑھتے ہوئے خطرناک رجحانات، ایک اہم اصلاح طلب پہلو!	مدیرِ محترم	۱۷
اکابر شناسی	دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا	ابوسیّد محمد اللہ غوری نقشبندی مجددی	۲۵
تعارفِ کتبِ تصوّف	حیا اور پاکدامنی	مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی	۳۸
خطوط ہائے معرفت	درسِ قصدُ السبیل	مفتی احمد اللہ غوری نقشبندی مجددی	۵۷
سلوک کی ڈاک	ہدایۃ السالکین	ضبط وترتیب: مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی	۷۶
اصلاحی وتربیتی منظوم کلام	نہیں طالب وہ جو رہبر سے خفا ہوتے ہیں	شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ	۷۹



قندیلِ ربّانی

(درسِ قرآنِ عظیم الشان)

بدگمانی: قباحت، اثرات اور علاج

ضبط و ترتیب: مولانا محمد عمر قاسمی کامار یڈی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگاؤ۔ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے! اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔'' (بیان القرآن)

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، شعور اور ارادے کی صلاحیت عطا کر کے اسے فکری و اخلاقی ذمہ دار قرار دیا ہے۔ انسان کے اعمال و افعال کی بنیاد اس کی فکر اور ارادہ ہی ہے۔ چناں چہ فکر اگر مثبت اور درست ہو تو

استاذ ابو ہریرہ اکیڈمی، اورنگ آباد (آن لائن)

دنیا و آخرت میں فلاح کا ذریعہ بنتی ہے، جب کہ فکری کجی اور منفی خیالات اخلاقی بگاڑ اور گناہ کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ بدگمانی، خواہ خالق کے متعلق ہو یا مخلوق کے متعلق، ایک باطنی بیماری اور شرعاً ناجائز عمل ہے۔ اس کی وجہ سے باہمی اعتماد، اخوت اور آپسی تعلقات تباہ ہوجاتے ہیں؛ بلکہ اس کے سبب ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور انسان کی قوتِ فیصلہ بھی مفلوج ہوجاتی ہے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں تین گناہوں کی ممانعت ایک خاص تدریجی اور منطقی ترتیب سے وارد ہوئی ہے: (۱) بدگمانی، اس کا تعلق ذہن اور دل سے ہے۔ (۲) تجسس، جو امورِ فعلیہ میں سے ہے۔ (۳) غیبت، اس کا تعلق زبان سے ہے۔

بدگمانی کا گناہ ایسا ہے کہ اس کی ابتدا پہلے دل میں پیدا ہونے والے منفی گمان سے ہوتی ہے، پھر یہ گمان عمل میں بدل کر تجسس کی صورت اختیار کرتا ہے، اور آخر کار زبان کے ذریعے غیبت کے ارتکاب پر منتج ہوتا ہے۔ ذیل میں بدگمانی، اس کے دینی و معاشرتی نقصانات اور اس کے تدارک کے چند عملی طریقے ذکر کیے جاتے ہیں۔

ظن کی حقیقت اور اس کے درجات:

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں لفظ ''الظن'' سے مراد مفسرین کے نزدیک بدگمانی ہے۔ اس لیے کہ ہر گمان ممنوع نہیں ہے؛ بلکہ ایسا گمان جس میں کسی کے تعلق سے بدخواہی ہو، ممنوع ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ شرعی اور دنیاوی معاملات میں اکثر فیصلے ''ظنِ غالب'' ہی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔

چناں چہ آیتِ کریمہ میں ''کثیر گمانوں سے بچنے'' اور ''بعض کے گناہ ہونے'' کی قید سے واضح ہوتا ہے کہ بدگمانی کی مختلف اقسام اور درجات ہیں، حضرت امام ابوبکر جصاصؒ نے مذکورہ آیتِ کریمہ کے ضمن میں ایک جامع تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظن اور گمان کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ظنِ حرام:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھی جائے کہ وہ لازماً عذاب ہی دے گا یا مصیبت میں ہی مبتلا رکھے گا، گویا وہ اللہ کی رحمت و مغفرت سے ناامید ہو چکا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ

ترجمہ: ''تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔''
(صحیح مسلم، کتاب الجنہ وصفۃ نعیمہا واہلہا، حدیث: ۷۲۳۱)

اسی طرح کسی ایسے مسلمان کے متعلق بلا دلیلِ قوی بدگمانی کرنا حرام ہے جو ظاہری حالت میں نیک و متقی دکھائی دیتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

ترجمہ: ''بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''
(صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث: ۶۰۶۶)

(۲) ظنِ واجب:

وہ امور جن میں کسی ایک جانب کا فیصلہ کرنا شرعاً ضروری ہو مگر قرآن وسنت میں کوئی صریح وقطعی نص موجود نہ ہو تو وہاں ظنِ غالب پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے:

عدالت میں ثقہ وعادل گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنا۔

ایسے ہی سمتِ قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں تحرّی (ظنِ غالب) پر عمل کرنا۔

نیز تلف شدہ مال کا تاوان (ضمان) طے کرتے وقت تخمینہ وظنِ غالب پر انحصار کرنا۔

(۳) ظنِ مباح:

جیسے نماز کی رکعتوں کی تعداد میں شک واقع ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار؛ تو اس میں ظنِ غالب پر فیصلہ کرنا یا اقل (یقینی یعنی تین) پر بناء کرنا جائز اور مباح ہے۔

(۴) ظنِ مستحب ومندوب:

وہ گمان جو شرعاً پسندیدہ اور باعثِ اجر وثواب ہو۔ اس سے مراد ہر اس مسلمان کے احوال اور اقوال کو خیر واچھائی پر محمول کرنا ہے جس کا فسق وفجور ظاہر نہ ہو۔ جب تک کسی کے خلاف کوئی قطعی یا قوی قرینہ موجود نہ ہو، اس کے ساتھ حسنِ ظن قائم رکھنا شرعی طور پر مستحب اور مندوب ہے۔
(احکام القرآن للجصاصؒ، سورۃ الحجرات، ملخصاً)

بدگمانی: اسباب ووجوہات:

بدگمانی ایک سنگین باطنی اور اخلاقی بیماری ہے جس کی بنیاد بلا ثبوت منفی خیالات اور بے بنیاد قیاس

آرائیوں پر ہوتی ہے۔ یہ عمل بذاتِ خود گناہِ کبیرہ ہے، جب کہ اس کا زبان سے اظہار دیگر متعدد گناہوں جیسے کہ غیبت، چغلی، فتنہ وفساد اور باہمی تعلقات کی خرابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس سنگینی کے باوجود معاشرے میں اس مرض کا عام ہونا چند مخصوص اندرونی اور نفسیاتی اسباب کا نتیجہ ہے۔

بدگمانی کے بنیادی اسباب:

(۱) خود پسندی اور تکبر:

انسان کی نظر میں اپنے سوا کوئی دوسرا اچھا نہیں جچتا۔ جب انسان خود کو پارسا، برتر اور عیوب سے پاک سمجھنے لگے، تو وہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور ان کی خوبیوں کے باوجود صرف خامیوں پر نظر رکھتا ہے۔

(۲) شیطانی وساوس:

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے جو دلوں میں بدگمانی کے بیج بو کر باہمی الفت کو دشمنی اور انتشار میں بدل دیتا ہے۔ پھر لڑائی جھگڑے، نفرتیں اور دوریاں وجود میں آتی ہیں۔

(۳) کم ظرفی اور باطنی تنگی:

دل کا ظرف جتنا چھوٹا ہوگا، انسان اتنی ہی جلدی معمولی باتوں کا اثر قبول کر کے دوسروں پر اعتراض کرے گا، ان کے حوالے سے بدگمانیاں پالے گا اور، ہر بات اور ہر کام کو منفی رنگ دے گا، منفی سوچ دراصل قلب کی بیماری اور خود اپنے باطن کی نجاست کا عکس ہوتی ہے؛ کیوں کہ سالک جیسا اندر سے ہوتا ہے، اسے کائنات کا ہر عکس ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔

(۴) عیب جوئی کی عادت:

دوسروں کی ٹوہ میں رہنا اور عیب کریدنا بدگمانی کو جنم دیتا ہے۔ ایسا شخص اس کیڑے کی مانند ہے جس کی غذا ہی گندگی کی تلاش ہو۔

بدگمانی کے معاشرتی نقصانات:

بدگمانی محض ایک انفرادی گناہ نہیں، بلکہ یہ فتنہ وفساد کی جڑ، باہمی نزاع کی بنیاد، کینہ وحسد کا زینہ اور دشمنی وعداوت کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ اخلاقی و روحانی ناسور ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ رہتے ہیں الا ماشاء اللہ! امیر ہوں کہ غریب، پڑھے لکھے ہوں کہ ناخواندہ؛ حتی کہ وہ لوگ جو ظاہری حال حلیہ سے نیک

سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

بدگمانی کی وجہ سے انسان ایک طرح کی ذہنی اذیت، فکری انتشار، قلبی بے چینی اور اندرونی کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ بدگمان انسان دوسروں کے درست رویوں کو بھی خواہ مخواہ شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس طرح خود کو دائمی بے چینی میں مبتلا کر لیتا ہے۔

☆ خاندانی رشتوں میں دراڑیں:

بدگمانی کے جراثیم جب خون کے رشتوں میں داخل ہوتے ہیں، تو الفت کی جگہ نفرت اور ہمدردی کی جگہ دشمنی وجود پاتی ہے۔ دلوں میں خلیج پیدا ہوجاتی ہے، گھرانے تباہ ہوجاتے ہیں اور معمولی غلط فہمیاں بڑھتے بڑھتے بسا اوقات قتل وخون ریزی کے المناک انجام تک پہنچا دیتی ہیں۔

☆ ازدواجی زندگی کی بربادی:

اسی طرح میاں بیوی کے پاکیزہ اور مضبوط ترین رشتے کو جب بدگمانی کی دیمک لگتی ہے، تو باہمی اعتماد کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، اور دن بہ دن ناچاقیاں ہونے لگتی ہیں اور بالآخر طلاق وخلع کی نوبت آتی ہے۔

☆ کاروبار وتجارت میں نقصان:

بدگمانی ایسی خطرناک چیز ہے کہ اس کی وجہ سے کاروبار میں بھی انسان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ سے شراکت داری پر مبنی تجارتیں کئی دفعہ گراوٹ کا شکار ہوتی ہیں۔ جب باہمی اعتماد کی خوشگوار فضا آلودہ ہوجاتی ہے تو اچھا خاصا منافع بخش کاروبار نقصان سے دوچار ہوجاتا ہے۔

☆ دفتر وملازمت:

بدگمانی اگر ملازمین کے درمیان جگہ پالے تو ٹیم ورک اور تخلیقی صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ ساتھی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور سازشوں کے جال بننے میں توانائیاں ضائع کرتے ہیں، جس سے ادارے کا معیار گھٹ جاتا ہے اور آپس میں غیبت اور منافقت جیسے خطرناک روحانی امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

☆ تعلیم وتدریس:

اسی طرح استاذ وشاگرد کے درمیان جب بدگمانی راہ پاجائے تو علم محض لفظی بحث بن کر رہ جاتا ہے۔ فیض کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، پھر استاذ اگر تعلیم وتدریس میں بے رغبتی کا شکار ہوتا ہے تو شاگرد طرح طرح

کی بے ادبیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ دینی واجتماعی نقصان:

جب اہلِ علم اور خدامِ دین کے تئیں عوام الناس میں بدگمانی کا تخم جنم لیتا ہے، تو وہ ان کی نا قدری اور توہین کے مرتکب ہو کر رفتہ رفتہ دین بیزاری اور گمراہی کے دہانے پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ بدگمانی معاشرتی بگاڑ کا بہت بڑا سبب ہے؛ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدگمانی سے بچنے کی سخت تاکیدی ہدایت دی؛ تاکہ انسان فتنوں کے اس جال سے خود کو بچا سکے۔

چناں چہ حضرت اقدس شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''بدگمانی پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مقدمہ دائر فرمائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ بدگمانی کے تمہارے پاس کیا دلائل تھے اور نیک گمان پر بلا دلیل انعام عطا فرمائیں گے۔ حسنِ ظن پر بغیر دلیل کے ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا مقدمہ میں جان پھنسانا بے وقوفی، حماقت اور نادانی ہے۔ اور احمق ہے وہ شخص جو مفت میں ثواب لینے کے بجائے اپنی گردن پر مقدمات قائم کرنے کے انتظامات کر رہا ہے اور اپنے لیے مصیبتیں تیار کر رہا ہے۔ نیک گمان کر کے مفت میں ثواب لو اور بدگمانی کر کے دلائل پیش کرنے کے مقدمات میں اپنی جان کو نہ پھنساؤ۔

(مواعظِ در دِمحبت، ج:۱، ص:۳۸۶)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: لَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِيكَ الْمُؤْمِنِ شَرًّا وَأَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمَلًا

ترجمہ: اپنے مسلمان بھائی کی زبان سے نکلنے والی کسی بات کے بارے میں برا گمان مت کرو، جب تک کہ تمہیں اس کے لیے خیر کا کوئی درست پہلو مل سکتا ہو۔

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲، الدر المنثور، ۶/ ۹۹)

اسی وجہ سے حضرات مشائخ عظام نے اخلاقی تزکیہ کا ایک بنیادی اصول بیان فرمایا ہے: ''تین گناہوں سے بچو، اللہ پاک بقیہ تمام گناہوں سے بچنا آسان فرما دیں گے: (۱) بدنگاہی (۲) بدگمانی (۳) بدکلامی''

بدگمانی اور ہمارے اسلاف کا طرزِ عمل:

معاشرے کو بدگمانی کے زہر سے پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے باطن کی نگرانی کرے، بدگمانی کی فتنہ سامانیوں سے بچ کر حسنِ ظن کو اپنا شعار بنایا جائے۔

چناں چہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ (آپ) کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کسی کی شکایت کرتا تو حضرت اپنے حلم کی بنا پر فوراً نہ ٹوکتے، البتہ جب وہ بات مکمل کر لیتا تب فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (اس میں گویا ایک لطیف اشارہ یہ بھی رہتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔) (ارواح ثلاثہ، صفحہ: ۱۵۲، ۱۵۳، حکایت ۱۸۲) اس روحانی و اخلاقی بیماری سے نجات کے لیے سلفِ صالحین نے خود احتسابی کو بہترین تدبیر قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب کبھی تمہارے دل میں کسی کے عیوب اچھالنے کا خیال آئے، تو فوراً اپنے عیوب اور خطاؤں کو یاد کر لیا کرو۔ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَذْكُرَ عُيُوبَ صَاحِبِكَ فَاذْكُرْ عُيُوبَ نَفْسِكَ (الادب المفرد، حدیث ۳۲۸)

تہمت کے مواقع سے بچنے کی نبوی ہدایت:

شریعت مطہرہ نے جہاں دوسروں کے حوالے سے بدگمانی سے روکا، وہیں یہ ہدایت بھی دی کہ انسان خود بھی ایسے کاموں اور ایسی جگہوں سے دور رہے جس سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے؛ چناں چہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جس نے خود کو تہمت کی جگہ لا کھڑا کیا تو وہ اس شخص کو ملامت نہ کرے جو اس سے بدگمان ہو۔'' (الزھد لابی داود، من زہد عمر رضی اللہ تعالی عنہ واخبارہ، الرقم: ۸۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم دی اور خود بھی تہمت کے مواقع سے احتراز فرماتے تھے؛ چناں چہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعتکاف کے دوران ملاقات کے لیے آئیں، پھر تھوڑی دیر تک آپ سے محوِ گفتگو رہیں، واپسی پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازے (بابِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) تک آئے، تو انصار کے دو شخص ادھر سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''ٹھہرو! یہ (میری اہلیہ) صفیہ بنت حیی ہیں'' انہوں نے

عرض کیا: ''سبحان اللہ! یارسول اللہ!'' (یعنی کیا ہم آپ کے بارے میں ایسا سوچ سکتے ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک شیطان انسان کے اندر خون کے دوڑنے کی جگہ پہنچتا ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ ڈال نہ دے!'' إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا (صحیح البخاری/کتاب الاعتکاف/حدیث: ۲۰۳۵)

بدگمانی کا مسنون و اخلاقی علاج:

ہر بیماری کا علاج ضرور ہوتا ہے، بدگمانی اور منفی سوچ بھی ایک مرض ہے، اسکے علاج کی عملی تدابیر یہ ہیں:

(۱) استعاذہ اور ذکرِ مسنون:

غیر اختیاری وسوسہ آتے ہی فوراً زبان اور دل سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ اور أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کا ورد کریں، یہ کلمات شیطان کے اثر کو زائل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

(۲) حسنِ ظن کو عبادت سمجھنا:

ہر مسلمان کے حوالے سے مثبت سوچ رکھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (سنن ابی داود، حدیث: ۴۹۹۳)

ترجمہ: ''حسنِ ظن بہترین عبادت ہے۔''

چناں چہ اگر کسی میں برائی کے ۹۹ پہلو ہوں اور اچھائی کا صرف ۱ پہلو ہو، تب بھی اسی ایک اچھائی کو بنیاد بنا کر اچھا گمان رکھیں۔

(۳) عاجزی اور اپنے عیوب پر نظر:

تصوّف و سلوک کے مسلمہ اصول کے مطابق بدگمانی کا علاج یہ ہے کہ انسان بدظنی کا رخ دوسروں کے بجائے اپنے نفس کی طرف موڑ دے؛ یعنی مخلوق کے حق میں حسنِ ظن رکھے اور اپنی ذات کے بارے میں سوءِ ظن کا رویہ اپنائے اور خود کو سب سے بڑا خطا کار اور دوسروں کو خود سے بہتر سمجھے۔ جب انسان کو اپنے عیوب اور خطاؤں کا احساس گہرے رکھے گا، تو دوسروں کے لیے دل میں صرف خیر اور حسنِ ظن ہی باقی رہے گا۔

بہ قول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: ''مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے بدتر سمجھتا ہوں فی المآل۔''

(۴) وسوسے کو ارادہ نہ بننے دینا:

دل میں برے خیال کا محض آجانا گناہ نہیں، لیکن اسے سوچ سمجھ کر برقرار رکھنا یا اس پر یقین کر لینا مذموم ہے۔ حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مذموم بدگمانی وہ ہے جو خود لائی جائے، باقی جو وسوسہ خود آئے وہ مذموم بدگمانی نہیں جب تک اس پر عمل نہ ہو، اور عمل کی صورت یہ ہے کہ یا دل سے اس پر اعتقادِ جازم کر لے (یعنی یقین کر لے، پہلے صرف گمان تھا پھر اس گمان کو یقین سے تبدیل کر دیا) یا زبان سے کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کر دے۔'' (انفاسِ عیسیٰ، ص: ۱۵۳)

(۵) عیب پوشی کرنا:

کسی کی خامی سامنے آجائے تو اسے لوگوں میں پھیلانے کے بجائے چھپائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص کسی کا عیب دیکھ کر اس پر پردہ ڈالے، وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے زندہ درگور کی گئی لڑکی کو نئی زندگی بخشی ہو۔'' (سنن ابی داود، کتاب الادب، حدیث: ۴۸۹۱)

(۶) شکوہ مخلوق کے بجائے رجوع الی اللہ:

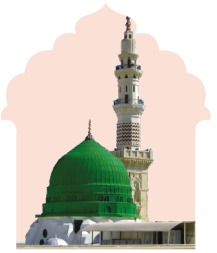
کسی کے سلسلے میں دل میں پیدا ہونے والے منفی خیالات دوسروں کے سامنے بیان کرنے کے بجائے مصلے پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی طرف سے اعترافِ قصور کریں اور اپنی اصلاح اور دل کی پاکیزگی کی دعا مانگیں۔

خلاصۂ تحریر:

اخلاقی و روحانی زندگی کی اصل بنیاد دل کی طہارت ہے۔ جب انسان بدگمانی کی قید سے نکل کر حسنِ ظن کی کشادہ فضا میں سانس لیتا ہے، تو اس کے دنیاوی تعلقات بھی سنور جاتے ہیں اور اخروی نجات کی راہیں بھی ہموار ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو بدگمانی کے زہر سے پاک فرما کر حسنِ ظن کی دولت، باہمی الفت اور اپنے مخلص بندوں کی سچی محبت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆



نُورِ نبوّت

(درسِ حدیث شریف)

دنیا کی آزمائشیں، سببِ تطہیرِ قلب ورضائے الٰہی

ضبط وترتیب: مفتی سید عبدالرافع قاسمی

إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ شَرًّا أَمْسَكَ عَلَيْهِ ذُنُوبَهُ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(سنن ترمذی/کتاب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/حدیث:۲۳۹۶)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لیے دنیا میں سزا کو جلدی کرتے ہیں، اور جب کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو روک لیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن پورا پورا حساب لیں گے۔

تشریح:

یہ دنیا درحقیقت آزمائشوں کی جگہ ہے، یہاں دکھ اور سکھ کا سلسلہ زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے، اسی وجہ سے دنیا کا ایک نام دارالمحن بھی ہے۔ چناں چہ مصائب کا نزول اور شدائد کا تسلسل اس فانی کائنات کی سرشت میں داخل ہے؛ لیکن ہر مشکل اللہ کی ناراضی یا گناہوں کی سزا نہیں ہوتی، اور نہ ہر مصیبت زدہ گناہ گار کہلاتا ہے۔

استاذ ابوہریرہ اکیڈمی اورنگ آباد (آن لائن)

اللہ پاک کی ہمیشہ سے یہ سنت مبارکہ اور عادت شریفہ رہی ہے کہ جب اللہ پاک اپنے کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں اور اس کے لیے خیرِ کثیر کا ارادہ کرتے ہیں، تو اسے حوادث کی بھٹی سے گزار کر کندن بنا دیتے ہیں۔ حضرات انبیاء و مرسلینؑ اور اولیائے کاملین کی زندگیاں اس حقیقت کی شاہدِ عادل ہیں کہ قربِ الٰہی اور محبتِ خداوندی کے بلند ترین مراتب تک رسائی اکثر تنگیوں، قربانیوں اور صبر آزما لمحوں کے راستے ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

عشقِ صادق میں آزمائشیں لازمی:

راہِ محبت بھی امتحانات اور آزمائشوں سے ہو کر گزرتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ محبت پہلے دعوے دارانِ محبت کا جو امتحان لیتی ہے وہ اس لیے کہ کھرا کھوٹا، صادق اور کاذب، دودھ اور پانی الگ الگ ہو جائے۔ یہی دنیا کا دستور رہا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

چناں چہ ایک دفعہ ایک صحابی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اللہ کے رسول! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو۔ (گویا زبانِ رسالت یوں فرما رہی ہے کہ ہوش میں تو ہو نا، خوب سوچ سمجھ کر دعویٰ کرنا، تو وہ قسم کھا کر کہنے لگے) "بخدا! میں آپ سے محبت کرتا ہوں" ان کے بار بار دہرانے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو فقر و فاقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈھال تیار رکھو، کیوں کہ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے، فقر اس کی طرف سیلاب کی رفتار سے بھی تیزی سے آتا ہے۔ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّكَ. قَالَ: "انْظُرْ مَا تَقُولُ". فَقَالَ: وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ. ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. قَالَ: إِنْ كُنْتَ صَادِقًا، فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، لَلْفَقْرُ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ۔
(مشکوۃ المصابیح/کتاب الرقاق/حدیث: ۵۲۵۲)

مذکورہ حدیثِ پاک سے صاف پتہ چلتا ہے کہ راہِ محبت میں امتحان کا ہونا لازمی امر ہے، وہ اس طرح کہ محبین کو جانچا جائے گا، بھٹی میں تپایا جائے گا اور کسوٹی پر رگڑا جائے گا۔

ہاں! یہ بات اپنی جگہ کہ محب اپنے محبوب کے سکون و آرام کا متلاشی ہوتا ہے، مگر اللہ پاک کی سنت ان مجازی محبین سے الگ ہے۔ دنیا میں اللہ کی محبت کا انداز نرالا ہی نظر آتا ہے؛ کیوں کہ دنیا میں مصیبتوں

اور پریشانیوں کا آنا اللہ پاک کے محبت کرنے کی علامت ہے؛ جیسا کہ حدیثِ بالا سے واضح ہے۔

محبین پر آزمائش کی ایک بڑی وجہ

محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں امتحان و آزمائش ہونے کی ایک حکمت سمجھاتے ہوئے ہمارے حضرت جی قدس سرہٗ مذکورہ حدیثِ پاک کے مفہوم کو یوں فرماتے ہیں کہ جب آدمی حالتِ سفر میں ہوتا ہے تو وہ کپڑے جو ہلکے میلے ہوں، ان کو دھو لیتا ہے تاکہ استعمال کر سکے، اور وہ کپڑے جن میں داغ دھبے زیادہ ہوں، ان کو رکھ لیتا ہے تاکہ گھر جا کر خوب اچھی طرح صفائی کر سکے۔ یہاں حالتِ سفر میں اچھی طرح صفائی دشوار ہے۔

ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو دنیا میں ہی پاک وصاف فرمانا چاہتے ہیں اور اس حال میں ملنا چاہتے ہیں کہ ان پر گناہوں کا ایک داغ بھی نہ ہو، تو دنیا میں ان کو مصائب و آلام میں مبتلا فرماتے ہیں، پھر یہ ابتلا اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ کے قاعدے کے تحت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ جو زیادہ مقرب ہوگا، وہ اتنا زیادہ آزمایا جائے گا۔

جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''انبیاء و رسل پر، پھر جو ان کے بعد مرتبہ میں ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کے دین کے مطابق مصیبت بھی ہوتی ہے، پھر مصیبت بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الصَّالِحُونَ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صَلَابَةٌ زِيدَ فِي بَلَائِهِ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ خُفِّفَ عَنْهُ، وَمَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَمْشِيَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ لَيْسَ عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ۔

(سنن ترمذی/ کتاب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ حدیث: ۲۳۹۸)

معلوم ہوا اللہ کے چاہنے والوں پر مصیبتیں اور پریشانیاں آتی رہتی ہیں، جب کہ نافرمان لوگوں کو اکثر دنیا میں آسائشیں ملتی ہیں؛ مگر ایسے لوگوں کی آخرت میں سخت پکڑ ہوگی۔

ایک بزرگ تھے جو صبح سے شام تک اگر کوئی بات پیش نہ آئے تو یوں کہتے کہ اے اللہ! کہیں آپ ناراض تو نہیں ہیں کہ آج دن بھر میں کوئی پریشانی مجھ پر نہیں آئی۔

آزمائش محبت کا لازمہ ہے:

مضمون کی مناسبت سے ذخیرہ احادیث میں ایک یہ روایت بھی موجود ہے: کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ۔ (سنن ابن ماجہ/ کتاب الفتن/ حدیث: ۴۰۳۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو ان کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔

ہمارے حضرت جی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کا معاوضہ اور پیمینٹ ہوتی ہے، جنت اور اس کی راحتوں کی پیمینٹ یہ دنیاوی مصیبتیں ہیں۔

لہٰذا مؤمن بندے کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں یہ تصور کرنا چاہیے کہ اللہ پاک میری صفائی کر رہے ہیں اور میرے گناہوں کو دھو رہے ہیں، اور ان شاء اللہ کل قیامت کے دن ان گناہوں کے بدلے پکڑ نہ فرمائیں گے۔

برخلاف اس کے اکثر بندے مصیبتوں اور پریشانیوں میں واویلا کرنے لگتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ زبان سے کفریہ الفاظ تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی اور وہاں کا آرام اور راحتوں اور نعمتوں کو دیکھے گا تو دنیاوی سب مصیبتیں اور پریشانیاں نَسْیًا مَنْسِیًّا ہو جائیں گی، اور یوں محسوس ہوگا کہ دنیا میں کوئی مصیبت پہنچی ہی نہیں۔ جیسا کہ حدیثِ پاک سے معلوم ہوتا ہے۔

لوگوں کے مرتبے:

ہمارے حضرت جی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگوں پر مصیبتیں آتی ہیں تو لوگ اپنے مقام کے اعتبار سے ان مصیبتوں کا استقبال کرتے ہیں۔ چناں چہ ایک مقام صالحین کا ہوتا ہے، وہ مصیبتوں کے آنے پر صبر کر لیتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایک مقام عارفین کا ہوتا ہے، وہ صبر اور سکوت کے ساتھ

کوئی حرفِ شکایت نہ زبان پر لاتے ہیں اور نہ خیالِ شکوہ ان کے اردگرد بھٹکتا ہے۔ ممکن ہے کہ صالحین صبر کے ساتھ شکایت کا کوئی حرف زبان پر لے آئیں یا دل ہی دل میں خیال کرلیں کہ پتہ نہیں یہ مصیبت کیوں آئی ہے، مگر عارفین شکوہ وشکایت کو نہ زبان پر جگہ دیتے ہیں اور نہ دل میں۔

عارفین سے آگے ایک مقام اور ہوتا ہے صدیقین کا، جو نبوت کے بعد سب سے اونچا مقام ہے۔ اس مقام میں انسان ہر حال میں اللہ سے راضی رہتا ہے؛ بلکہ مصائب کا برضا ورغبت استقبال کرتا ہے؛ گویا وہ اپنی زبانِ حال اور قال سے یوں کہتا ہے ؎

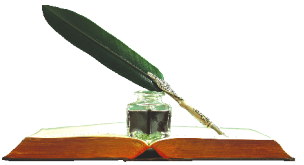
نہ خوشی اچھی، نہ ملال اچھا
خدا جس حال میں رکھے، وہی حال اچھا

اور ؎

مجھے غم بھی ان کا عزیز ہے
کہ انہیں کی دی ہوئی چیز ہے

اور بالفاظِ دیگر كُلُّ مَا يَأْتِي مِنَ الْمَحْبُوبِ مَحْبُوبٌ، محبوب کے پاس سے جو آئے، محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی صحیح معرفت نصیب فرمائیں۔ آمین!

☆☆☆



سُخنِ اوّلیں

کردار کُشی کے بڑھتے ہوئے خطرناک رجحانات، ایک اہم اصلاح طلب پہلو!

(سورۂ نور کی منتخب آیات کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ اور قرآنی تعلیمات وہدایات)

از: مدیر

دشمنی میں ذہنی اذیتیں دینا، جسمانی تکلیفیں پہونچانا، گاہے گاہے دل آزاری کرنا یا جانی و مالی نقصان پہونچانا یوں تو عام سی بات ہے؛ "لیکن نااتفاقی کی صورت میں یا کسی نظریاتی اختلاف کی بنا پر، محض حاسدانہ جذبات کی تسکین کے لیے مخالفت، عداوت یا انتقام میں کسی کی کردار کُشی کرنا، باطنی خباثت، کمینگی اور اخلاقی پستی کی بدترین مثال ہے۔" ایک شریف انسان اس نوع کے امور سے اپنے دامن کو بچاتا ہے، اور اس کی شرافت ہمیشہ اُسے ایسی سطحی حرکتوں سے باز رکھتی ہے، جب کہ بد باطن اور شیطانی ذہنیت رکھنے والا انسان؛ اِس طرح کے اقدامات اور معاملات میں حصہ لیتا ہے؛ بلکہ پیش پیش رہتا ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں نے بہت تکلیفیں پہونچائیں؛ بعثتِ نبوی کے بعد مکہ مکرمہ کی تاریخ دیکھیے، تکلیف دہی اور اذیت رسانی کی متنوع صورتیں نظر آئیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخانہ جملے کہے گئے، نماز پڑھتے وقت سجدہ کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو جسمانی طور پر سخت زدوکوب کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرنے کی وجہ سے بعضے اصحاب کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے خاندان کا بائیکاٹ کیا گیا؛

یہاں تک کہ سلسلۂ تکالیف کا امتداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی ناپاک سازش تک جا پہنچا، لیکن غور کیجیے کہ حسد و رقابت میں تکلیفیں پہونچانے والے یہ کفار دشمن تھے اور ان کی دشمنی علی الاعلان تھی۔ انہوں نے آپ کی دعوت کی مخالفت کی اور سرِ عام انکار کیا! آپ کو تکلیفیں بھی پہونچائیں لیکن عفت و عصمتِ نبوت پر حرف گیری سے باز رہے؛ لیکن جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہونچتے ہیں تو ایک ایسے گروہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ پڑتا ہے، جس کی دشمنی کے مظاہرے علانیہ نہیں بل کہ مخفی انداز میں ہوتے تھے، جو عبادات میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا، معاملاتِ زندگی میں ان کے ہمراہ رہتا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسوں میں حاضر باش، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسفار میں رفیق اور مہمات میں شریک ہوتا تھا؛ لیکن در پردہ وہ دشمنوں کا ہم نوا، ان کا حمایتی اور باطنی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت مُعانِد و حاسد تھا۔ قرآن نے اس گروہ کو منافق کے لفظ سے تعبیر کیا اور بتایا کہ یہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں رہیں گے۔ منافقین کا یہ ٹولہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں پہونچانے کے لیے موقعے کی تلاش میں رہتا تھا۔ چناں چہ ان کی ایذا رسانیوں کی بھی ایک بڑی فہرست ہے، جو دشمنانِ مکہ کی بہ نسبت خطرناک بھی تھیں اور سخت بھی۔ وہ موقع بہ موقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کا مذاق اڑاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر کرتے تھے تاکہ لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باعظمت ہستی پر جو ایمان و اعتماد ہے، وہ کم ہوجائے، کبھی اہلِ اسلام کی تدبیریں ناکام کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں پر غلط تبصرے کرتے تو کبھی سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے کے لیے غلط افواہیں پھیلاتے تھے۔ چناں چہ ان منافقین کی سیاہ تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو کبھی میدانِ جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے لشکر سے اچانک اپنے ہم خیالوں کو لے کر علیحدہ ہوتے نظر آتے ہیں، کسی معرکہ میں اہلِ اسلام کی شکست پر طعنے دیتے ہوئے پائے جاتے ہیں تو کبھی مسلمانوں کی فتح و نصرت کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم پر حرفِ شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ غزوۂ احد کے موقعے پر جب کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی غلط افواہ پھیلائی تو اس موقعے پر مسلمانوں کو پست ہمت کرنے میں ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا بھی حصہ تھا۔ اور یہی وہ بدنصیب ٹولہ ہے جس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے مسجد کے نام سے ایک الگ ٹھکانہ تعمیر کیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی ایذا رسانیوں اور تکلیف دہانیوں کی داستانِ المناک کا ذکر قرآن کریم کے صفحات میں میں جا بہ جا نظر آئے گا۔

ان کی اِس دلخراش تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب وہ ہے جب کہ انہوں نے کاشانۂ نبوت پر حرف گیری کی۔

حرمِ نبوت پر الزام تراشی کا اُن کا یہ بدبختانہ اقدام اور کردار کُشی کی ان کی یہ مجرمانہ روش اتنی سخت ہے، ہاں اتنی سخت اور ایسی مذموم ہے کہ دشمنی اور ایذا رسانی کی تاریخ میں اس کو سب سے بدترین مثال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت امی عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے الزام تراشی کی اور طرح طرح کی افواہیں پھیلائیں تو ان کی الزام تراشیوں اور افواہوں کا جواب اب کی بار آسمان سے آیا اور قرآن کی زبان میں آیا، سورۃُ النور کی دس آیات نازل ہوئیں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عفت اور پاک دامنی پر قیامت تک کے لیے مہرِ تصدیق ثبت ہوگئی۔

واقعۂ افک بہت تفصیلی ہے، لیکن اہم جزئیات کے استحضار کے بغیر مضمون کے بہت سے پہلوؤں کے سمجھنے میں دشواری ہوسکتی ہے۔ اس لیے اختصار کے ساتھ ذیل میں پیش ہے۔ نامور محدث اور معروف مفسرِ قرآن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ”واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶ ھ میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، حضرت امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علاحدہ تھا، وہ ہودہ (اونٹ پر باپردہ خواتین کے سوار ہونے کے لیے استعمال ہونے والا خیمہ نما چھوٹی سی پالکی) میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمّال (اونٹ پر سامان لادنے والے) ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لیے قافلہ سے علیحدہ ہوکر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہوگیا۔ حمّال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے، اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا؛ کیوں کہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض حمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلافِ مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا، وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلے کے پیچھے کچھ فاصلے سے

رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہونچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آکر پہچانا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (کیوں کہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ جس سے اُن کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ ان کے قریب لاکر بٹھلا دیا۔ یہ اس پر پردے کے ساتھ سوار ہوگئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بد باطن اور دشمن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بد بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس قسم کے واہیات، تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہ ہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی، شدتِ غم سے بے تاب ہوگئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لیے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ ''نور'' کی یہ آیتیں إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ الخ' سے دُور تک نازل فرمائیں، جس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔"

(تفسیری فوائد در حاشیہ ترجمہ شیخ الہند)

وہ کون سی آیاتِ کریمہ ہیں جو اس موقع پر نازل ہوئیں؟ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ منافقین کی طرف سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرمِ نبوت، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی جانے والی الزام تراشیوں، بہتان طرازیوں اور ریشہ دوانیوں کے جواب میں عفت و پاک دامنی کی گواہی پر مشتمل کلامِ ربانی کی صورت میں کون سی آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں؟ ذیل میں ان کا ترجمہ، مختصر توضیحی جملوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے: ارشاد ربّانی ہے: ''جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تمہارے میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے۔ تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا، اس کو سخت سزا ہوگی۔

(آگے ان قاذفین مؤمنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسنِ ظن اور نیک گمان کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ) یہ (تہمت لگانے والے) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل نہ ہوتا، دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب کہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (غیر موجب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔ اور تم نے جب اس کو سنا تھا تو یوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں، معاذَ اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا، اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ جو لوگ (بعد نزول ان آیات کے بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک (مقرر) ہے (اور اس امر پر سزا کے تعجب مت کرو کیوں کہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (اور اے تائبین) اگر یہ بات ہوتی تو تم پر اللہ کا فضل وکرم ہے جس نے تم کو توفیق توبہ کی دی اور جب کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی (اس وجہ) سے نہ بچتے۔ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو (یعنی اس کے اغواء پر عمل مت کرو) اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلتا ہے تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی (توبہ کر کے) پاک وصاف نہ ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک صاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور جو لوگ تم میں دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں وہ اہلِ قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ یہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (آگے منافقین کی وعید کی تفصیل

ہے) جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں (اور) ایسی باتوں کے کرنے سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا، جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ ان کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے اس روز اللہ تعالیٰ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور اس روز ٹھیک ٹھیک ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے (اور) بات (کی حقیقت کو) کھول دینے والا ہے۔ (اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں، یہ اُس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں، ان (حضرات) کے لیے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔“

(سورۃ النور، آیت ۱۱ تا ۲۶) (بیان القرآن)

مذکورہ بالا سطور میں منافقین کی طرف سے حرمِ نبوت، حضرت امُّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشیوں کی انتہائی بدبختانہ روِش کا بیان اور اس کے جواب میں قرآنی آیات کے نزول کی تفصیل نگاہوں سے گذر چکی، اب ذرا معاشرے میں کردار کُشی کے بڑھتے ہوئے خطرناک رجحانات اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی تشویش ناک صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج خود مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کو داغدار کر رہا ہے۔ کہیں اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے کوئی مدِّ مقابل کی بدکرداری کی افواہیں پھیلا رہا ہے تو کہیں محض پیغامِ نکاح کے مسترد ہونے پر پاک دامن اور عفیف لڑکیوں پر تہمتیں لگائی جارہی ہیں، کہیں ذاتی رقابت اور حاسدانہ چشمک کی وجہ سے کسی کی نجی زندگی، گھریلو معاملات، شخصی کمزوریوں یا ذاتی خامیوں کو کرید کرید کر لوگوں کے سامنے لایا جارہا ہے تو کہیں مختلف باتوں، پیغامات، بیانات، ویڈیو اور آڈیو ریکارڈنگز وغیرہ کو سیاق و سباق سے کاٹ کر مختلف طریقے سے بدنام کیا جارہا ہے، کہیں دشمنی میں بے بنیاد باتیں اور الزامات لگائے جارہے ہیں تو کہیں پرانے واقعات کو اور زندگی کے سابقہ ناگفتہ بہ پوشیدہ حالات کو برسرِ عام لاکر ذلیل و رسوا کیا جارہا ہے۔ اس پر مستزاد ایسی باتوں کو تحقیق کیے بغیر ہی سوشل میڈیا پر بڑی بے باکی و جسارت سے آگے بڑھایا جاتا ہے۔

پھر یہ بات کہنے میں اب بالکل حرج نہیں ہے کہ پہلے ایسی سطحی حرکتیں عوام الناس بلکہ غیر مہذب لوگوں تک محدود تھیں؛ لیکن اب کہنا چاہیے کہ عہدوں کو پانے کی ہوس، مناصب کے حصول کا جنون اور شہرت پسندی کی وبا اس قدر عام ہوتی جارہی ہے کہ دینی جماعتوں اور ملی تنظیموں میں بھی اس کے لیے کبھی کبھار کردار کُشی، الزام تراشی اور عزت و آبرو کو داغدار کرنے کی ناپسندیدہ حرکتیں اور بے اخلاقی کے مظاہرے دیکھے جارہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت وشرافت کا جو لباس پہنایا اور اس کے سر پر کرامت کا جو تاج رکھا ہے، کردار کُشی کے یہ رجحانات گویا اس کو اتارنے کی ناپاک جسارتیں ہیں۔

سورۃُ النور کی آیاتِ کریمہ کو سامنے رکھتے ہوئے اگر معاشرے میں کردار کُشی کے بڑھتے ہوئے مختلف رجحانات کا جائزہ لیں تو درج ذیل تعلیمات وہدایات سامنے آتی ہیں۔

(۱) دشمنی یا نااتفاقی کی صورت میں یا انتقامی جذبات کے تحت کسی کی عزت کو داغدار کرنا، کسی طرح رسوا و ذلیل کرنا یا کردار کُشی کی کوئی شکل اختیار کرنا، منافقین کے طرزِ عمل کے مشابہ روِش ہے۔

(۲) کسی پاکدامن عورت یا مرد پر تہمت لگانا اسلام کی نظر میں بڑا خطرناک جرم ہے، ایسے میں ضروری ہے کہ تہمت لگانے والا چار گواہ پیش کرے اور وہ بھی چشم دید۔ (حواشی تفسیرِ ماجدی، صفحہ ۷۳۱)

(۳) علاوہ اس کے بے دلیل شرعی کسی کی پاکدامنی پر تہمت لگانے والوں کو (آخرت میں) سزا بھی بڑی سخت ہوگی۔ (سورۃ النور، آیت: ۱۱)

(۴) قرآن کریم نے ایک اہم ضابطہ یہ بھی بتایا کہ کسی بھی مسلمان سے متعلق کوئی غلط بات معلوم ہو تو اولاً حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے (حاشیہ تفسیر ماجدی، صفحہ ۷۳۲) اسی سلسلے میں صوفیہ محققین نے کہا کہ اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط وتحقیق سے کام لینا چاہیے۔ (حاشیہ بیان القرآن، صفحہ ۵۶۹)

(۵) کسی پاک دامن مرد یا عورت پر تہمت لگانا، لوگ ہلکا گناہ سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے بے تحقیق بھی ایسی باتوں کو آگے نقل کردیتے ہیں؛ جب کہ یہ کام اللہ کے نزدیک بڑا سخت ہے۔

(فائدہ از آیت ۱۵، سورۃ النور)

(۶) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: "جو لوگ اہل ایمان کے درمیان ایسی بے حیائی کی باتوں کا چرچا

کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک سزا ہے۔ (حاشیہ تفسیر ماجدی، صفحہ ۷۳۴)

(۷) بہتان طرازی اور الزام تراشی جیسے قبیح اور مذموم فعل میں مبتلا لوگوں کو ایک قرآنی ہدایت یہ ہے کہ "ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا؛ سننے سے بھی بچنا چاہیے، یہ تقاضۂ ایمان ہے۔

(مستنبط از حاشیہ تفسیر ماجدی صفحہ ۷۳۳)

(۸) آیتِ قرآنی سے یہ فائدہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ "تہمت زدہ اشخاص کو بدنامی و رسوائی کا رنج ہونا ایک طبعی بات ہے۔ لیکن قرآن کریم میں مذکور یہ واقعہ ان کے لیے کیسی تسلی کا باعث ہے! گویا انہیں اضطراراً ہی سہی، حرمِ نبوت کے احوال سے ایک گونہ مشابہت نصیب ہوگئی۔ پھر یہ بات بھی تو ہے کہ ان کو اِس المناک واقعے پر کتنا بڑا اجر ملے گا۔" (مستنبط از تفسیر ماجدی)

☆☆☆

آکابرِ شناسی

سلسلہ نمبر (۶)

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(علمائے دیوبند کی خانقاہی روایت کا تاریخی تسلسل)

(قسط اوّل)

ابوسیّد محمد اللہ غوری

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے قرنِ اول کے طلبا میں سے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص صاحبِ نسبت ولی کامل تھا، دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن سے گونجتا تھا''۔۔۔''علم اگر روحِ عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے؛ لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا، بلکہ اس میں اخلاق وعمل اور عشق ومحبت کا سوز وساز بھی شامل تھا''۔۔۔(اسی طرح دارالعلوم) کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا۔ وہاں ہر شخص علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے معمور۔''

مذکورہ بالا اقتباس، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر سے ماخوذ ہے، جس

کا عنوان ہے ''دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق''۔ واقعہ یہ ہے کہ ''یہ اقتباس دارالعلوم دیوبند کا وقیع تعارف، اس کے بانیان کے ذوق و مزاج کا خوب صورت ترجمان، اس کے اساتذۂ کرام کے فکری رُخ کا بہترین غمّاز، اور اس کے اوّلین فیض یافتگان کے مذاق و افتاد کا عکّاس اور آئینہ ہے۔''

☆☆☆

علمائے دیوبند رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً اس دورِ آخر میں تاریخ کی وہ سنہری کڑیاں ہیں جو علم و عمل کی جامعیت، طبیعت میں حد درجہ اتباعِ سنت، مزاج میں رچی بسی سادگی و فنائیت، نیتوں میں غایت خلوص و للّٰہیت، دین اور دینیات کے لیے انتہائی فدائیت، ظاہر و باطن کی یکسانیت اور ہر لمحہ خدا ترسی و تعلق باللہ کی غیر معمولی فکر و محنت کے سبب کہنا چاہیے کہ دورِ اول کا نمونہ اور اپنے اسلاف کی سچی یادگار تھے۔

ان حضرات کے ہاں روزِ اول ہی سے علم کے ساتھ عمل، قال کے ساتھ حال، ظاہر کی خوبصورتی و عمدگی کے ساتھ باطن کی درستی و صفائی کا بہت اہتمام بلکہ التزام رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے دیوبند کی بے پناہ شہرت اور ان کی عالمی مقبولیت کے ظاہری اسباب میں ان کے بیش بہا علوم، ان کی قیمتی تصنیفات اور نادر تحقیقات اور پورے عالم میں پھیلے ہوئے ان کے بے شمار مدارس و مکاتب اور ان کی ہمہ جہتی دینی خدمات ہیں۔ لیکن ان تمام ظاہری اسباب کو مؤثر، بابرکت اور بافیض بنانے کے پس پردہ جو روح کارفرما ہے، وہ ان کا مضبوط خانقاہی نظامِ فکر و عمل، ان کی مستحکم روایتِ تصوف و سلوک اور اخلاق و للّٰہیت اور تزکیہ و احسان کے حوالے سے ان کی مستقل محنت ہے۔

یہ وہ راز ہے جس کو خود علمائے دیوبند نے مختلف موقعوں پر بیان فرمایا ہے۔ چناں چہ شارحِ دیوبندیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یاد رکھیے! جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے (یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے) وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کرے اور نماز نہ پڑھے۔ محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔''

(الافاضات الیومیہ: ۴/ ۵۱۵)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہ دیکھا کہ درسی اور کتابی اعتبار سے پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی

ہو اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں لیکن صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا ہے۔'' (طریق النجاۃ، ص:۹۶)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے ہر دور میں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کو اپنے حق میں لازم سمجھا اور مشائخ کی بافیض صحبتوں میں حاضر ہو کر اپنی اصلاح و تربیت کروائی اور تعلیماتِ شریعت کی روشنی میں راہِ سلوک و معرفت کو طے کیا۔ پھر جب ان کے مشائخ کی طرف سے انہیں طریقت کے باب میں اجازت دی گئی اور سلسلۂ طریقت کو آگے بڑھانے کا حکم ہوا تو اس راہ سے بھی انہوں نے خوب خوب خدمات انجام دیں۔ یوں قرناً بعد قرنٍ ان کے خانقاہی نظام کی روایت تسلسل کے ساتھ جاری رہی۔

یہاں اس امر کی وضاحت لازمی ہے کہ علمائے دیوبند میں جو حضرات علمی، تدریسی یا تصنیفی زندگی سے وابستہ رہے یا پھر تحریکی، سیاسی، ملی اور سماجی خدمات میں مشغول رہے، انہوں نے اپنے اپنے میدانِ عمل میں رہتے ہوئے انفرادی طور پر تصوف و سلوک کی اس روایت اور فکر کو برقرار رکھا اور اس سے غفلت نہیں برتی۔ چناں چہ انفرادی طور پر ان کی خدماتِ سلوک اس قدر طویل ہیں کہ ان سب کا احاطہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

ان انفرادی کوششوں کے علاوہ ہر دور میں ان میں بعض حضرات ایسے بھی گذرے ہیں، جنہوں نے تصوف و سلوک کی محنت کو یا بالفاظِ دیگر خانقاہی نظامِ تربیت کو اپنی خصوصی کوششوں کا محور بنایا۔ زیرِ نظر تحریر میں تصوف و سلوک کی راہ میں حضرات علمائے دیوبند کی انفرادی کوششوں کو موضوعِ گفتگو بنانے کے بجائے عہد بہ عہد ان کے خانقاہی نظام کو بیان کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

نیز یہ وضاحت بھی پیش نظر رہے کہ تاریخی تسلسل کو بیان کرنے میں سہولت کے لیے ابتداء سے ماضی قریب تک کی کُل مدت کو سات ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اور ادوار کی اس تقسیم میں دیگر جہاتِ خدمات سے قطعِ نظر، ہر دور میں عمومی مرجعیت رکھنے والی نمائندہ شخصیت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ادوار کی یہ تقسیم مضمون نگار کی محض ذاتی رائے ہے۔ اس میں ہرگز کسی کی تنقیص نہیں؛ بل کہ سہولت اور اختصار کے پیش نظر اس ترتیب کو اپنایا گیا ہے۔

پہلا دَور:

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۳۳ھ تا ۱۳۱۷ھ)

فطرت نے مجھے بخشے ہیں وہ جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

(اقبال)

''جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے، لیکن جو لوگ عارف ہیں ان کے نزدیک عند الخالق کا بھی قصد کرنا ناپسندیدہ ہے؛ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے نزدیک کبیر بننا چاہتا ہے تو گویا یہ اپنے نزدیک ایسی شان رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نظروں میں بھی باوقعت ہو سکے۔'' (قصص الاکابر، صفحہ: ۵۳)

مذکورہ بالا ملفوظ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس ملفوظ میں کیا کچھ نہیں ہے؟ کتابِ علم کا ایک دقیق نکتہ! بابِ طریقت کا ایک نایاب گوہر! اور معرفتِ حق کی ایک اہم منزل!

چناں چہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس قیمتی ملفوظ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس کی ایک مثال میرے ذہن میں آتی ہے، جس سے اس مضمون کی بابت پورا شرح صدر ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک معشوق فرض کیجیے کہ جو دنیا بھر کے حسینوں سے بڑھ کر حسین و جمیل ہو اور اس کے مقابلے میں اس کا ایک عاشق تصور کیجیے جس سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی بدشکل اور بھونڈی صورت کا نہ ہو، یعنی جواندھا، لُنجہ، گنجا، کھدرہ ہر طرح بھنڈی بھانت کا، ناک بھی چپکی ہوئی، ہونٹ بھی موٹے موٹے، دانت باہر کو نکلے ہوئے کالا بھجنگ چیچک کے گہرے گہرے داغ چہرے پر۔ غرض کوئی عیب نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ اب ایسا شخص اگر عملِ حُب کراتا پھرے کہ کسی طرح اس کا حسین معشوق خود اس کے اوپر عاشق ہو جائے تو کیا لوگ اس کو پاگل نہ سمجھیں گے؟ اور کیا اس کی اس آرزو کو خللِ دماغ ہی نہ بتلائیں گے؟ اس سے بھی کہیں بڑھ کر تفاوت حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان اور ایک بندے کی شان میں ہے''۔۔۔ پھر فرمایا کہ ''حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں عبدیت بے حد غالب تھی۔ اپنے آپ کو فاسق و فاجر سے بھی زیادہ برا سمجھتے تھے۔ نزولِ کامل حاصل تھا۔'' (قصص الاکابر، صفحہ: ۵۳، ۵۴)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ کے نامور بزرگ ہیں۔ آپ حضرت میاں جیونور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ھ) کے خلیفۂ اجل ہیں۔ اور فکرِ دیوبند کے بانیان (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) اور دارالعلوم دیوبند کے اولین اساتذہ وطلبۂ کرام کے شیخ ومرشد۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سرچشمۂ فیوض (حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے دیوبندی مکتبِ فکر کی بنیادیں سیراب ہوئی ہیں، آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب نے ان سے کسبِ فیض کیا ہے۔ وقت کے نامور اور ممتاز علماء کرام ان کے ہاں نیازمندانہ حاضر ہوئے اور اپنے قلب ونظر اور عقل وشعور کے چراغوں کو للّٰہی محبت کی آگ سے روشن کر کے پورے زمانے کے لیے ضوفشاں بن گئے۔ آپ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو کر سلوک طے کرنے والے خوش نصیبوں میں اکابر دیوبند میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، صدر مدرس اول مدرسۂ دیوبند حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، عارف باللہ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب دیوبندی، عربی و فارسی کے ادیب ماہر حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی رحمہم اللہ جیسے عباقرہ ہیں۔ پھر ان اکابر کی اتباع میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، عارف باللہ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، شارحِ ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم جیسے یگانۂ روزگار علماء آپ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوئے اور سلوک طے کیا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علومِ ظاہری کی تحصیل کے لیے اپنے دور کے کبارِ اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری دی۔ لیکن آپ سے اللہ تعالیٰ کو تصوف وسلوک کی راہ سے عظیم خدمات لینا منظور تھا؛ اس لیے علومِ ظاہری کی تحصیل کے دوران یک بہ یک آپ کی طبیعت سلوک کی طرف مائل ہوئی اور دل میں شدت سے جذبۂ خدا طلبی پیدا ہوا۔

اسی جذبے کے تحت آپ نے حضرت مولانا نصیر الدین حنفی نقشبندی مجددی غازی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ (حضرت مولانا نصیر الدین حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ محمد آفاق قدس سرہ کے خلیفہ اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی وحضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے شاگرد

تھے۔) بیعت کے بعد طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے مطابق تربیت حاصل کی اور چند دن کے بعد اپنے پیر و مرشد کی طرف سے اجازت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف کا کچھ حصہ، حصن حصین وفقہ اکبر (از امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) اور مثنوی شریف وغیرہ کتابیں مختلف اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ مثنوی شریف کا مطالعہ بہ طور ورد کے آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ اسی دوران عالمِ رویا میں آپ کو آقائے نامدار جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور خواب ہی میں آپ علیہ السلام نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت میاں جیو صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیا۔ بیداری کے بعد آپ حیرت میں مبتلا رہے، اس لیے کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں کسی قسم کا تعارف آپ کو حاصل نہیں تھا۔ چناں چہ اسی حالت میں کئی سال گذر گئے۔ پھر آپ کے استاذ مولانا محمد قلندر جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو لوہاری جانے کے لیے رہنمائی فرمائی کہ ممکن ہے وہاں سے آپ کو اپنا مقصود حاصل ہو۔ جب آپ لوہاری پہونچے تو دیکھا کہ وہاں وہی بزرگ تشریف فرما ہیں، جن کو خواب میں دیکھا تھا اور حضرت نبی علیہ السلام نے آپ کو جن کے حوالے کیا تھا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق ویقین ہے۔ چناں چہ آپ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوئے اور سلاسلِ اربعہ میں، خاص طور پر طریقۂ چشتیہ صابریہ میں سلوک کی تکمیل کی۔ پھر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت سے مشرف فرمایا۔ (امداد المشتاق الیٰ اشرف الاخلاق، صفحہ: ۱۱ تا ۱۴ ملخصًا)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج ومذاق کے کچھ نمونے:

(۱) حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ (آپ) کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کسی کی شکایت بھی کرتا اور حضرت حلم کی وجہ سے منع بھی نہ فرماتے تو جب وہ اپنی بات مکمل کر لیتا تب فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (اس میں گویا ایک لطیف اشارہ یہ بھی رہتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔) (ارواح ثلاثہ، صفحہ: ۱۵۲، ۱۵۳، حکایت ۱۸۲)

(۲) اسی طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر حسنِ ظن بہت تھا۔ عام لوگ جن کو کافر سمجھتے تھے حضرت ان کو بھی صاحبِ باطن فرماتے۔ یوں فرماتے تھے کہ صاحبِ باطن ہے مگر غلطی ہوگئی۔

(ارواح ثلثہ، صفحہ: ۱۵۱، حکایت ۱۷۶)

(۳) حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مدت تک حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت کی۔ رات و دن آپ کی خدمت میں رہا مگر آپ کو کبھی پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا؛ بلکہ آپ کے پاؤں (سوتے وقت بھی) سمٹے رہتے تھے۔ کئی دنوں تک تو اس طرف توجہ نہ ہوئی؛ مگر جب عرصۂ دراز تک آپ کو ایسے ہی پایا، تب خیال ہوا کہ غالباً آپ کی یہ حالت قصداً ہو۔ آخر ایک دفعہ حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے؟ بھلا اس طرح سونے میں کیا نیند آتی ہوگی؟ اور کیا آرام ملتا ہوگا؟ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ لے! تو آرام کو لیے پھرتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ اپنے محبوب کے سامنے پاؤں پھیلانا (بھی) بے ادبی ہے۔ اللہ اکبر!

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی یہ بات نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ''حقیقی کمالات ایسے ہوتے ہیں کہ عظمتِ الٰہی اس قدر رگ و ریشہ میں سما گئی ہے اور اس حد تک طبیعت کا جزو بن گئی ہے کہ پیر پھیلا کر بھی نہیں سوتے۔ پھر یہ کمال بھی اتنا دقیق ہے کہ شاید تمام عمر بھی کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو سکے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ **کاملین کا حال پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں اس قدر لطافت ہوتی ہے کہ وہاں تک کسی کا ذہن بھی نہیں جاتا۔**'' (کمالاتِ امدادیہ: صفحہ ۹، تلخیص مع تسہیل)

(۴) حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب (خادمِ خاص) کا ہی بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں کسی صاحب نے ایک سیاہ جوتا ہدیہ میں پیش کیا۔ آپ نے استعمال کرنے کے بجائے وہ جوتا اپنے خادم کو دیدیا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ آپ کی خدمت میں ہدیہ اس لیے پیش کرتے ہیں کہ آپ استعمال فرمائیں۔ اگر آپ دوسروں کو ہی عنایت فرمانا چاہیں تو چند دن استعمال کر کے دیدیں۔ یہ برکت کا بھی باعث ہوگا۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب سے میں نے ''خانۂ کعبہ کا غلافِ سیاہ'' اور ''روضۂ اطہر کے سبز پردے'' دیکھے ہیں، تب سے سیاہ اور سبز رنگ کے جوتے استعمال کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں؟ ہرگز نہیں۔ (کمالاتِ امدادیہ، صفحہ ۷)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دل میں عظمتِ الٰہی اور حرمت و توقیرِ نبوی کس قدر تھی۔

(۵) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہے کہ آپ تین شخصوں سے خدمت لینا پسند نہیں کرتے

تھے۔(۱) عالم، (۲) سیّد اور (۳) بوڑھا شخص۔

آگے فائدہ کے زیرِ عنوان حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علماء اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معظم ہونا تو ظاہر ہے اور بوڑھوں کی نسبت حدیث میں ہے: مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا۔۔۔(فَلَيْسَ مِنَّا) اور اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ پس ان لوگوں کی توقیر عین مطلوبِ شریعت ہے۔

(کمالاتِ امدادیہ، صفحہ:۱۶)

(۶) ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک قادری اور ایک چشتی محاکمہ کے لیے آئے۔ قادری صاحب یہ کہتے تھے کہ حضرت سیدُنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھا ہوا ہے اور دلیل میں بیان کرتے تھے کہ جب حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا: ''قَدَمِي عَلٰى رِقَابِ كُلِّ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ'' (ترجمہ: میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف سے مطلع ہو کر سر جھکا دیا اور فرمایا: بَلْ عَلٰى رَأْسِي وَعَيْنِي (ترجمہ: بلکہ یہ میرے سر اور آنکھوں پر ہے؛ یعنی نہایت خوشی اور احترام سے قبول ہے) اور چشتی صاحب کہتے تھے کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھا ہوا ہے؛ غرض یوں ہی ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ ایک کے کلام سے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص ہوتی تھی اور دوسرے کی گفتگو سے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہم لوگوں کو زیبا نہیں کہ بزرگوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں؛ اس طرح کرنے سے اولیاء اللہ کی بے ادبی اور گستاخی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ بات اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کے نزدیک کون بڑے ہیں اور کون چھوٹے۔ ہمیں سب سے عقیدت رکھنی چاہیے۔ ہاں! ''یہ طبعی بات ہے کہ باپ کے ساتھ بہ نسبت چچا کے، محبت زیادہ ہوتی ہے؛ لیکن چچا کی اگر تنقیص کریں تو خود باپ کو بھی ناگوار ہوتا ہے۔'' پس چشتیوں کے تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باپ ہیں اور حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ چچا اور قادریوں کے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ باپ ہیں اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چچا۔ لہٰذا محبت کی زیادتی میں تو ہر شخص معذور ہے؛ مگر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ فضول ہے؛ بلکہ بے ادبی ہے۔''

پھر آگے ارشاد فرمایا کہ: اگر حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تسلیم بھی کر لیا جاوے تو ممکن ہے کہ اُس وقت حضرت غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقامِ عروج میں ہوں اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقامِ نزول میں اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ''نزول افضل ہے عروج سے''۔ سو اس سے تو عکس کا بھی احتمال ہے اور یہ صرف مستدَل کا جواب ہے ورنہ ہم (تو ادب کی وجہ سے) یہ بھی نہیں کہتے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلے کو سن کر دونوں خاموش ہو گئے۔

(کمالاتِ امدادیہ، صفحہ: ۱۶، ۱۷ اختصاراً)

مذکورہ بالا واقعات محض بطورِ نمونہ پیش کیے گئے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں عظمتِ الٰہی کس قدر راسخ تھی اور آپ کا قلبِ مبارک محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے کس حد تک سرشار تھا۔ مزید برآں، شعائر اللہ اور اولیائے کرام کا ادب و احترام آپ کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ گویا وہ آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیلی سوانح، آپ کے اخلاق و عادات اور مزاج و مذاق، آپ کے وہبی کمالات، تعلیمات اور لدنی علوم، آپ کا اندازِ اصلاح و تربیت اور آپ کی غیر معمولی خدمات ایک طویل موضوع ہے۔ جس سے آگاہی کے لیے ''شمائمِ امدادیہ''، ''کلیاتِ امدادیہ''، ''کمالاتِ امدادیہ''، ''کراماتِ امدادیہ''، ''ارواحِ ثلاثہ''، ''امداد المشتاق الیٰ اشرف الاخلاق''، ''قصص الاکابر''، ''کلید مثنوی''، سوانح حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (مؤلفہ: حافظ اقبال رنگونی)، ''حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء''، ''حیات امداد'' (مؤلفہ: مولانا انوار الحسن شیرکوٹی) اور ''ملفوظات و خطبات حکیم الامت'' وغیرہا کتابوں کی طرف مراجعت مناسب ہے۔

بس یہاں اگلی سطور میں مضمون کی مناسبت سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند منتخب تعلیمات (تصوف و سلوک، معرفتِ الٰہی اور اصلاح و تربیت سے متعلق) پیش کی جا رہی ہیں۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند منتخب تعلیماتِ تصوف:

(۱) ارشاد فرمایا کہ ''اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری طلب اور سعی سے اس سے زیادہ مجھ کو نفع پہنچانے والا نہیں مل سکتا۔'' (کمالاتِ امدادیہ، صفحہ ۵)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کی بہترین شرح فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے: تصوف وسلوک میں مرید کو اسی وقت فائدہ پہنچتا ہے جب کہ وہ اپنے شیخ کو تمام بزرگوں سے انفع سمجھے۔ اسی کو ''وحدۃ مطلب'' بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات جتنی اہم ہے، اتنی ہی دقیق بھی ہے۔ چناں چہ پہلے پہل صوفیاء کرام کے درمیان جب یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا تو تعبیر یہ اختیار کی گئی کہ ''سالک اپنے شیخ کو تمام بزرگوں سے افضل سمجھے۔'' (افضل سمجھنے کی) اس تعبیر کے نتیجے میں دیگر اور بھی مباحث ابھر آئے۔ مثلاً (۱) تمام بزرگوں میں متقدمین اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم بھی۔ پس ان کو تمام بزرگوں میں شامل کر کے اپنے شیخ کو ان سے بھی افضل سمجھنا کیسے درست ہوگا؟ جب کہ یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پوری امّت میں سب سے افضل ہیں۔ (۲) اسی طرح متقدمین سے قطع نظر اس سے مراد صرف معاصرین ہی ہوں تب بھی فضیلت کا دارومدار تو قبولیت عنداللہ پر ہے اور قبولیت عنداللہ ایک مخفی امر ہے۔ لہٰذا اپنے شیخ کے بارے میں محض رائے سے فیصلہ کرنا کہ وہ افضل ہیں کیسے درست ہوگا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کو ایسے بہترین انداز میں تعبیر فرمایا کہ سارے اشکالات خود بخود دور ہو گئے۔ پہلے تو زندہ بزرگوں کی قید لگائی، جس سے تخصیص پیدا ہوگئی، پھر افضل سمجھنے کے بجائے انفع سمجھنے کی بات فرمائی اور پھر نفع کو بھی طالب کی سعی اور طلب کی ساتھ مقید کر دیا۔ سبحان اللہ! آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی گہرائی کی دلیل ہے۔ (تلخیص مع تسہیل)

چناں چہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دوسرے لوگ تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے کمالات دیکھ کر معتقد ہوئے تھے؛ لیکن میں حضرت کا علم دیکھ کر آپ کا معتقد ہوا ہوں۔ (دیکھیے کمالاتِ امدادیہ، صفحہ: ۵، ۶)

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت! میری ایک جگہ ملازمت ہے لیکن ارشاد ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ ابھی طبیعت میں تردد ہے، جو خامی کی دلیل ہے۔ ایسی حالت میں ملازمت کا ترک کرنا، قلب کی تشویش کا باعث ہوسکتا ہے۔ جب توکل میں کمال

پیدا ہوجائے گا تو طبیعت خود بخود متعلقات سے بیزار ہوجائے گی اور آپ کسی کے روکنے سے بھی نہ رکیں گے۔ (کمالات امدادیہ، صفحہ:۸، تلخیص مع تسہیل)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد اور اندازِ تربیت کے ضمن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فائدہ کے عنوان کے تحت بہترین باتیں رقم کی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعضے مشائخ اپنے سالکین کو دفعۃً ترکِ تعلقات کا حکم فرماتے ہیں۔ چوں کہ طبیعت پہلے سے تعلقات کی خوگر ہوتی ہے اور دل میں ابھی کوئی خاص کیفیت راسخ نہیں ہو پاتی، اس لیے اکثر ایسے امور کا انجام دین کے فساد پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تعلیم کے پس پردہ یہی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ جب سالک کے دل میں قوت پیدا ہوجائے گی تو اُس وقت اگر تھوڑی سی تنگی اور مشقت بھی پیش آئے، تب بھی قلب اُس کا متحمل ہوگا اور کوئی نقصان نہ ہوگا۔ نیز تشویش کی حالت میں یادِ الٰہی کی یکسوئی نصیب نہیں ہوتی۔ اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حسنِ تربیت بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بہ ظاہر آپ سالک کو ترکِ دنیا سے منع فرماتے تھے؛ لیکن حقیقت میں ترکِ دین سے روکتے تھے۔ سبحان اللہ! (کمالاتِ امدادیہ، صفحہ:۸ مع تسہیل)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اسی فراست وحکمت اور دوراندیشی وباریک بینی کا نتیجہ تھا کہ حضراتِ علمائے دیوبند آپ کے والہ وشیدا اور دل سے قدردان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کی (حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی) زبان سے باوجود علوم درسیہ حاصل نہ کرنے کے وہ علوم نکلتے تھے، جن پر ہزار دفترِ علوم قربان ہیں۔

(مقالات حکمت بحوالہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۹، مؤلفہ: حافظ اقبال رنگونی)

(۳) ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک منتسب نے عرض کیا کہ میں نے چلہ کیا تھا، جس میں ہر روز سوا لاکھ مرتبہ اسمِ ذات پڑھتا تھا، مگر کچھ نفع نہیں ہوا۔ شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں ورنہ ضرور نفع ہوتا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو سوا لاکھ مرتبہ اسمِ ذات کیسے پڑھ سکتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت حاجی صاحب نے اس میں اُن کے قلب کو کس خوبی سے تسلی فرمادی اور ضمن میں ایک مسئلہ بھی بتلادیا کہ بدونِ رضائے شیخ کے مرید کو توفیق ذکر وعبادت کی نہیں ہوتی''۔۔۔ پھر اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ تحقیق اور حسنِ تربیت بھی

ظاہر ہوتی ہے۔شانِ تحقیق اس طرح کہ ذکر کا بالذات مقصود ہونا بتلادیا اور حسنِ تربیت یہ کہ کیفیات اور حالات، جو کہ غیر مقصود ہیں، اس سے بھی متنبہ کردیا کہ اس کے پیچھے پڑنے سے بسا اوقات سالک پوری عمر تشویش میں مبتلا رہتا ہے۔ (دیکھیے کمالات امدادیہ، صفحہ: ۲۲)

(۴) ارشاد فرماتے تھے کہ رِيَاءُ الشَّيْخِ خَيْرٌ مِنْ اِخْلَاصِ الْمُرِيدِ (یعنی شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے۔)

اس ملفوظ کی تشریح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔لکھتے ہیں کہ ''شیخ اگر کوئی عمل اسی قصد سے کرے کہ مریدین دیکھیں اور تقلید کریں اور سمجھیں کہ جب یہ کامل ہو کر اتنی عبادت کرتا ہے تو ہم تو ناقص ہیں ہم کو بدرجۂ اولیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ گو صورت ریا کی ہے، اسی لیے ریا مجازاً کہہ دیا؛ لیکن چونکہ واقع میں یہ ریا نہیں بلکہ تعلیمِ فعلی ہے جیسا (کہ) احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز و وضو ادا کر کے فرمایا کہ ہم نے اسی واسطے کیا ہے کہ تم اقتداء کرو، ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ تم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل دکھلائیں اور نفع اس کا متعدی ہے؛ لہٰذا مرید کے عمل مخفی سے جو کہ معنًی اور صورۃً خلوص کے ساتھ موصوف ہو افضل ہے؛ کیونکہ اُس کا نفع لازمی ہے اور اس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شیخِ کامل کا کوئی فعل ظاہر میں اگر مُوہمِ ریا وغیرہ ہو تو بدگمان نہ ہو؛ اس میں کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔

(کمالات امدادیہ صفحہ ۲۴)

(۵) ایک بار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حدیثِ پاک اَلْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا (ترجمہ: غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت (گناہ) ہے) کا تذکرہ ہوا۔اس پر ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا گناہِ باہی ہے اور غیبت گناہِ جاہی ہے اس لیے یہ اشد ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی بے پناہ علمی و عملی اور اخلاقی و روحانی کمالات کی جامع تھی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت نانوتوی و گنگوہی اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ جیسے وقت کے کبارِ علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو کر سلوکِ باطنی طے کیا۔چناں چہ اکابر علمائے دیوبند کی تحریروں اور ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی عظمت کے سچے احساسات اور ان کے حوالے سے ممنونیت کے بے پناہ جذبات

سے معمور تھے۔

چنانچہ ایک شخص نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولوی تھے؟ آپ نے فرمایا کہ ''مولوی گر تھے''! (ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۴۶)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کتابی نہیں تھے؛ بلکہ سراسر لدُنّی اور الہامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر سب کو حیرت ہوتی تھی۔ چناں چہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے سلسلے میں ایک دفعہ کسی نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو آپ نے حسبِ مزاج ایک مشاہداتی مثال کے ذریعے سے اس کو جواب دیا کہ ''علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ اور یہ فرق بیان کیا کہ دیکھو ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس نے سیاحت بہت کی ہے؛ مگر اس کی نگاہ کمزور ہے اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے؛ مگر نگاہ بہت تیز ہے تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت کی ہے اس کی مبصرات تو زیادہ ہیں مگر کسی مُبَصَّر (دیکھی ہوئی شئی) کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں؛ کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں۔ ہر چیز کو سرسری طور پر یونہی دیکھا ہے اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی، اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو دیکھتا ہے اس کی پوری حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے۔ بس یہی فرق ہے ہمارے اور حاجی صاحب میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرتِ قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کے معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرتِ قلب بہت زیادہ ہے اس لیے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں۔ وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہنچتے۔ غرض جیسے کثرتِ مبَصَّرات کا نام ابصار نہیں، اسی طرح کثرتِ معلومات کا نام علم نہیں؛ بلکہ علم یہ ہے کہ ادراک سلیم اور قوی ہو، جس سے نتائجِ صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہو۔ یہی ہے حقیقتِ علم، جو فقط پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کے اور اسباب ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سبب تو دعا ہے، دوسرا سبب تقوی ہے۔'' (العلم والعلماء صفحہ ۶۰، (افادات تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۲۹، ۳۰، مؤلفہ: حافظ اقبال صاحب رنگونی)

(جاری)

تعارفِ کُتُبِ تَصوّف

سلسلہ نمبر(۵)

حیااور پاکدامنی

نام کتاب : حیااور پاکدامنی
مؤلف : محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس سرہ
صفحات : ۴۱۲
تعارف نگار : مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی

''إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ''

ترجمہ: جب تم میں حیا باقی نہ رہے، تو پھر جو چاہے کرو۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۴۸۳)

لسان نبوت سے صادر ہونے والے یہ مبارک الفاظ ''کسی وقتی تاثر کا اظہار نہیں ہیں''؛ بل کہ ان الفاظ کے ذریعے ''انسانی فطرت، اس کی نفسیات اور اس کے طبعی رجحانات ومیلانات کی دائمی ترجمانی کی گئی ہے''۔ چناں چہ شارحِ بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی تشریح میں لکھتے ہیں: الْمُرَادُ بِهِ الْوَعِيدُ، أَيْ: مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَيَاءٌ يَرْدَعُهُ عَنِ الْقَبِيحِ، فَإِنَّهُ يَفْعَلُ مَا شَاءَ

(ترجمہ): اس سے مراد وعید ہے، یعنی جس کے پاس حیا نہ ہو جو اسے برائی سے روکے، وہ پھر جو چاہے کرتا پھرتا رہے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۶، ص۵۱۵)

اور علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: ''حیا ان عظیم اخلاق میں سے ہے جو

بندے کو برائیوں سے روکتی ہے، اور جب حیا ختم ہو جائے تو پھر برائیوں سے روکنے والی (کوئی) چیز باقی نہیں رہتی۔'' ''اَلْحَیَاءُ مِنْ أَعْظَمِ الْأَخْلَاقِ الَّتِی تَمْنَعُ الْعَبْدَ مِنَ الْقَبَائِحِ، فَإِذَا فُقِدَ الْحَیَاءُ لَمْ یَبْقَ مَا یَمْنَعُهُ مِنْهَا''

(جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثًا من جوامع الکلم، شرح حدیث نمبر ۲۰، ص ۴۹۷، ۵۰۲)

☆☆☆

حیا کیا ہے؟ تہذیب اور شائستگی کا خوبصورت پیکر! وقار اور سنجیدگی کی حسین تصویر! شرافت، سلیقہ مندی اور پاکیزہ کردار کا ایک جامع نمونہ! چناں چہ شارحِ مشکوۃ ملا علی قاریؒ نے حیا کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''حیا انسان کے اندر پیدا ہونے والی وہ کیفیتِ انکسار و شرمندگی ہے، جو اسے قابلِ ملامت اور معیوب کاموں سے روک دیتی ہے۔''

هُوَ تَغَیُّرٌ وَانْکِسَارٌ یَعْتَرِی الْمَرْءَ مِنْ خَوْفِ مَا یُلَامُ وَیُعَابُ عَلَیْهِ

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۱/ ۷۰)

حیا کے بارے میں لسانِ نبوت سے نکلنے والے ارشادات پڑھیے اور دوسری طرف دنیا کے موجودہ منظر نامے پر نگاہ ڈالیے، ماننا پڑے گا کہ النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کسی ایک علاقے اور کسی محدود زمانے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے ہر خطے اور قیامت تک آنے والے ہر دور کے لئے ہیں۔ آج سائنسی ترقی، جدید ٹکنالوجی، صنعتی انقلاب اور مصنوعی ذہانت کی بدولت دنیا چاہے عروج کی کتنی ہی منزلیں طے کر چکی ہو، اس سے انکار کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے کہ شائستہ روایات کی بے حرمتی، شریفانہ اقدار کی پامالی؛ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اخلاق باختگی، بے شرمی اور بے حیائی کے کھلے عام مظاہروں کی وجہ سے دنیا اب تشویش ناک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

بقول اسرار الحق مجاز:

عشق کا ذوقِ نظارہ مفت میں بدنام ہے
حسن خود بے تاب ہے جلوہ دکھانے کے لیے

اور

بقول عامر عثمانی:

ہوس کی دھوم دھام ہے، نگر نگر، گلی گلی

چناں چہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ شیطان کے کارندوں نے جب دنیا کو اخلاقی اعتبار سے تباہ کرنا چاہا تو پوری دنیا میں بے حیائی کی وبا عام کردی۔ پہلے تو اخبارات میں تصویریں عام ہوئیں، پھر ٹی وی، وی سی آر کے ذریعے اس رجحان کو مزید فروغ دیا گیا۔ پھر کمپیوٹر نے نئے نئے پروگرامز متعارف کروائے۔ اس کے بعد جب سے انٹرنیٹ آیا ہے تو گویا ساری دنیا اس کے خوشنما جال میں پھنس گئی ہے۔ ترقیاتی منصوبوں کی ترویج اور سہولیات کی فراہمی کے زیرعنوان کم لباسی؛ بل کہ بے ستری اور برہنگی کو ایسا فروغ دیا گیا کہ اب مغرب بھی اس کی لپیٹ میں ہے اور مشرق بھی۔ ہوس پرستی کو اس حد تک بڑھاوا دیا گیا ہے کہ بچے، جوان، بوڑھے، مرد، عورت، شہری، دیہاتی، خواندہ، ناخواندہ، مذہبی، غیر مذہبی، سب اس کی بلاؤں میں گرفتار ہوگئے۔ پھر شریفانہ قدریں بھی پامال ہوئیں، تہذیب اور شائستگی بھی دم توڑ چکی، اخلاقیات جاں بہ لب، اور خاندانی نظام بھی تباہ و برباد۔ خیالات میں پاکیزگی نہیں رہی۔ تصورات پراگندہ ہوگئے، افکار فساد زدہ اور دل ویران۔ یہ تو تعلیماتِ اسلام کی زندگی و تابندگی کہہ لیجیے کہ ایسے موقعے پر بھی اسلام کے ماننے والوں کو ان تعلیمات میں بہترین رہنمایانہ ہدایات مل جاتی ہیں۔

تصوف، جس کی بنیاد ہی خدا پرستی اور اخلاق درستی پر ہے، وہ اس موضوع سے غافل کیسے ہوسکتا ہے۔ چناں چہ علمائے امت نے بھی گاہے گاہے حیاء کے موضوع پر لکھا اور متقدمین صوفیاء کرام نے بھی اس کو موضوعِ گفتگو بنایا؛ لیکن موجودہ حالات کا تقاضہ تھا کہ اس عنوان پر لکھا جائے اور پوری تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ بے حیائی کے موجودہ منظرنامے کی خرابیوں اور خطرناکیوں کو اجاگر کیا جائے اور پوری وضاحت کے ساتھ کیا جائے تاکہ لوگ اپنے آپ کو اور اپنی نئی نسلوں کو اس خطرناک شیطانی جال سے بچائیں۔

چناں چہ مغرب کی ناپاک سازشوں سے واقفیت رکھنے والے اور اس کی تخریبی ذہنیت سے باخبر ہستی، حکیم العصر، نباض وقت، ماضی قریب میں روحانیت و تصوف کی دنیا کے ممتاز شیخ، محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس سرہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور انسانیت کو شیطانوں کے ان حسین و خوشنما جالوں میں پھنسنے سے بچانے کے لیے اس عنوان پر مفصل و مکمل کلام کیا۔

یہ کتاب کیا ہے؟ باحیا زندگی گذارنے کی ایک عمومی دعوت! پاک دامنی کے ساتھ شب و روز بسر کرنے کی ایک پُردرد ہدایت! بے حیائی کو فروغ دینے والوں کے خلاف ایک دردمندانہ بغاوت! اِس کتاب میں بے حیائی اور بدنظری جیسے گناہوں کا تفصیلی بیان ہے۔اس سے متعلقہ بیماریوں کی تشخیص بھی ہے اور ان کا قرآنی، حدیثی، نفسیاتی اور تجرباتی علاج بھی۔ پھر یہ کہ پوری کتاب میں متانت اور وقار ہے، محققانہ اسلوب کی جلوہ نمائی ہے اور ایسے نازک وحساس موضوع پر شائستہ اور مہذب انداز میں مواد کی پیشکش ہے!

☆☆☆

کتاب کل ۴۱۲ رصفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ۱۰/ ابواب ہیں۔ ابواب کے نام یہ ہیں: (۱) پاک دامنی کی اہمیت (۲) بدنظری (۳) حجاب کا حکم (۴) مخلوط محفلوں سے اجتناب (۵) زنا کے اسباب (۶) زنا کی اقسام (۷) زنا کے نقصانات (۸) زنا کی سزا (۹) شہوت کیسے کنٹرول کریں (۱۰) زنا سے توبہ۔

کتاب کے تفصیلی مطالعے سے پہلے ہی، اگر کوئی مذکورہ بالا دس ابواب کی فہرست کا ہی مطالعہ کرلے تو یہ فیصلہ کرنے میں بالکل دشواری نہیں ہوگی کہ اس کتاب میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ، تربیتی، معاشرتی، نفسیاتی اور عملی پہلوؤں سے بھی موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے اور مؤلف نے نفسِ موضوع کے ساتھ، اس کے اطراف وجوانب پر بھی نہایت شرح وبسط کے ساتھ جامع انداز میں کلام کیا ہے۔لہذا یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ یہ کتاب اپنے اسلوب تالیف کی ہمہ گیری و ہمہ جہتی کے اعتبار سے اپنے موضوع پر ''ایک منفرد اور وقیع کاوش'' ہے۔ مجھے یہ کہنے میں بالکل مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کتاب محض علمی جدوجہد کی برکت یا معلومات کی کثرت کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جس حکیمانہ اسلوب سے کلام کیا گیا ہے، اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب بے حیائی کی خطرناک وبا سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایک حکیم العصر کی طرف سے قیمتی نسخہ ہے، جس کی تشخیصات اور تجویزات میں تجربات کے عناصر شامل ہیں اور بے پناہ یقین کی قوت کارفرما ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے کتاب کا سبب تالیف، خود مؤلف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''پیش لفظ'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

''ہم آج نام نہاد ''روشن خیالی'' کے ایسے تاریک دور سے گزر رہے ہیں، جس میں عمومی طور پر انسان اپنے دینی، روحانی اور لطیف جذبات کو نہاں خانۂ دل کے کسی ویران گوشے میں ڈال کر، ہوائے نفس کے گھوڑے پر سوار، مادیت پرستی کی طرف رواں دواں ہے۔ اس نے لذات اور خواہشات بھری زندگی کو ہی اپنی اصل زندگی سمجھ لیا ہے اور تکمیلِ خواہش کو اپنی زندگی کی منزل سمجھ لیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خواہشِ نفس پوری ہونی چاہیے خواہ جیسے بھی ہو۔ چنانچہ جنسی خواہش، جو انسان کی خواہشاتِ نفسانیہ میں سے ایک بڑی خواہش ہے، اس کو پورا کرنے کی دوڑ میں آج کا انسان کچھ اس طرح سرگرداں ہے کہ شرم وحیا کی صفت سے تہی دامن ہو چکا ہے۔ عریانی اور فحاشی کا ایک طوفان ہے، جو اہل کفر کی عشرت گاہوں سے اٹھا ہے اور مسلم ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا جا رہا ہے۔ ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو سی ڈیز، ڈش، کیبل اور انٹرنیٹ وغیرہ ایسے شیطانی ذرائع ہیں، جنہوں نے کفر کی اس ثقافتی یلغار کو مسلمانوں کے گھر گھر میں پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ بے حیائی اور اخلاق باختگی کے وہ مناظر، جو کبھی باطل کا خاصہ تھے، آج مسلمانوں میں بھی ترویج پا چکے ہیں''۔۔۔ (اسی طرح) ''کفار کی تہذیب وتمدن کو اپنا کر اور ان کے میڈیا کو دیکھ دیکھ کر ہماری نوجوان نسل گلیمر اور رومانس کی ایسی دنیا میں کھو گئی ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو ہی بھول گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس کے نوجوان کبھی ذکرُ اللہ کی مستی، سجدوں کی لذت، اللہ تعالیٰ کے خوف، قیام اللیل کے شوق اور علم کے ذوق سے آشنا تھے۔ ان کے چہرے عبادت کے نور کی چمک اور معرفت کے نور کی دمک سے رخشندہ وتابندہ ہوا کرتے تھے۔ آج اس کے نوجوان گلوکاروں کی چہک اور رقاصاؤں کی تھرک کے رسیا ہیں، پری چہروں کی مٹک اور خوبانوں کی ٹھمک پر فریفتہ ہیں''۔۔۔ ''مخلوط تعلیم گاہوں میں طلبہ اور طالبات کے مابین پروان چڑھتے رومانس اور قومی تقریبات میں ہونے والی محافلِ موسیقی وڈانس ہماری قوم کی مجموعی اخلاقی حالت کی عکاسی کرتی ہیں۔ فقیر کو دنیا میں بہت سے ممالک میں سفر کرنے کا موقع ملا، ہر جگہ پر ایسے نوجوان کثرت سے ملتے ہیں، جن کی کھوئی کھوئی آنکھیں، اڑی اڑی رنگت اور اترے اترے چہرے ان کے دل کا افسانہ سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت فقیر انتہائی رنج وافسوس کے ساتھ یہ سوچتا ہے کہ کاش! کوئی ان کا ناصح ہوتا، جوان کو سمجھاتا۔ کوئی ان کا مسیحا ہوتا جو ان کو دوا دیتا۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

یہ سب احوال دیکھ کر ایک عرصہ سے فقیر کے دل میں یہ خواہش ابھر رہی تھی کہ اس معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کے لیے ''حیا اور پاک دامنی'' جیسے نازک موضوع پر کوئی کتاب تحریر کی جائے، لیکن کچھ تبلیغی مصروفیات اور معہد الفقیر کی تعمیری مصروفیات اس میں حائل رہیں۔ تاہم جب کبھی بھی فقیر کو سلوٹوں میں کچھ وقت ملا، کچھ نہ کچھ احاطۂ تحریر میں لاتا رہا، حتیٰ کہ عرصہ دو سال میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔''

(صفحہ ۱۹ تا ۲۲ ملخصاً)

آگے لکھتے ہیں کہ:

اس کتاب کی تالیف کے تین بڑے مقاصد ہیں: (۱) بے حیائی کی وبا میں مبتلا نوجوانوں کے اندر حیا اور پاکدامنی کی صفت پیدا کرنا۔ (۲) عام لوگوں کو اس بے حیائی کے نقصانات سے تفصیلی طور پر آگاہ کرنا، تاکہ وہ خود کی اور اپنی اولادوں کی حفاظت کر سکیں۔ (۳) سالکینِ طریقت کو اس بات سے باخبر کرنا کہ راہ سلوک میں ''بدنظری کے گناہ'' کے کتنے خطرناک نقصانات ہیں، اس سے بچنے کے طریقے کیا ہیں اور اس سے بچنے پر کیا کیا انعامات ملتے ہیں۔ (تلخیص صفحہ ۲۲، ۲۳)

ذیل میں کتاب کا اسلوبِ نگارش، منہجِ تالیف اور تربیتی انداز سمجھنے کے لیے چیدہ و چنیدہ اقتباسات پیش ہیں:

''حیا اور پاکدامنی کی اہمیت'' کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

''حیا کی وجہ سے انسان کے قول و فعل میں حسن و جمال پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا باحیا انسان مخلوق کی نظر میں بھی پُرکشش بن جاتا ہے اور پروردگارِ عالم کے ہاں بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو اس کی چال، ڈھال میں بڑی شائستگی اور میانہ روی تھی، اللہ رب العزت کو یہ شرمیلا پن اتنا اچھا لگا کہ قرآنِ مجید میں اس کا تذکرہ فرمایا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَآءٍ'' (القصص: ۲۵)

''تھوڑی دیر بعد ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کے پاس شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔''

سوچنے کی بات ہے کہ جب باحیا انسان کی رفتار و گفتار اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے تو اس کا کردار کتنا مقبول ومحبوب ہوگا؟ لہٰذا جو شخص حیا جیسی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے، وہ حقیقت میں محروم القسمت بن جاتا ہے۔ ایسے انسان سے خیر کی توقع رکھنا بھی فضول ہے۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ''

''جب تجھ میں شرم نہ رہے تو پھر جو مرضی کر۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۳۴۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بے حیا انسان کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی شترِ بے مہار کے مانند ہوتی ہے۔ حیا ہی وہ صفت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان پاکیزگی اور پاکدامنی کی زندگی گزارتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حیا اور پاکدامنی لازم وملزوم ہیں، ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔''

(صفحہ ۲۶، ۲۷)

پہلے باب میں قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ اور احادیث مبارکہ پیش کی گئی ہیں، جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ حیا اور پاک دامنی بہت بڑی صفت ہے اور جس کو اختیار کرنے کی قرآن وسنت میں بہت تاکید آئی ہے۔ ساتھ ہی آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حیا اور پاکدامنی اختیار کرنے والے بہت سے انعامات سے مشرّف ہوں گے۔ مثلاً:

(۱) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والوں (حیا اور پاک دامنی اختیار کرنے والوں) کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔ (احزاب، آیت ۳۵)

(۲) ایسے لوگ فلاح یاب ہوں گے یعنی ان کو دائمی کامیابی نصیب ہوگی۔ (المؤمنون، آیت: ۱)

(۳) شرمگاہوں کی حفاظت پر وعدۂ جنت ہے۔ (حاکم، بیہقی) وغیرہ

پھر پاک دامنی سے متعلق حضرات صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظام، سابقہ امتوں کے نیک بزرگوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات مذکور ہیں۔ جن کے مطالعہ سے دل میں حیا اور پاکدامنی کی اہمیت مزید نقش ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۳۰ تا ۴۰)

دوسرے باب کا عنوان ہے ''بدنظری''۔ اس باب کے تحت مذکور تمہیدی سطور ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے

ہیں کہ:

انسانی آنکھیں جب بے لگام ہوجاتی ہیں تو اکثر فواحش کی بنیاد بن جاتی ہیں۔اسی لیے محققین کے نزدیک بدنظری ''ام الخبائث'' کی مانند ہے۔ان دوسوراخوں سے ہی فتنے کے چشمے ابلتے ہیں اور ماحول ومعاشرے میں عریانی وفحاشی کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں۔اسلام نے ان دوسوراخوں پر پہرہ بٹھادیا۔یہ بھی اسلامی تعلیمات کا حسن وجمال ہے کہ ہر مومن کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔نہ ہی غیر محرم پر نظر پڑے اور نہ ہی شہوت کی آگ بھڑکے۔نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔اصولی بات ہے کہ Nip the evil in the bud (برائی کو ابتداء ہی میں ختم کردو)۔

عام مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں کی نگاہیں بے قابو ہوتی ہیں،ان کے اندر شہوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے، حتی کہ انہیں فحاشی کا مرتکب بنادیتی ہیں۔(صفحہ ۴۷)

پھر مؤلف کتاب (حضرت جی قدس سرہ) نے اپنے تالیفی نہج کے مطابق نگاہوں کی حفاظت سے متعلق آیات کریمہ اور متعدد احادیث مبارکہ پیش کرکے مختلف فوائد ذکر فرمائے ہیں۔مثلاً: حدیث پاک:اَلعَیْنَانِ زِنَاھُمَا النَّظَرُ (ترجمہ:آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے)(مسلم) کے تحت رقم فرماتے ہیں:

''اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی غیر محرم کے چہرے پر شہوت بھری نگاہ ڈالتا ہے وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کرچکا ہوتا ہے۔سلف صالحین نے نگاہ کو بَرِیدُ الْعِشْقِ یعنی عشق کا پیامبر کہا ہے۔

زلیخا اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پر نظر نہ ڈالتی تو جذبات کے ہاتھوں بے قابو ہوکر گناہ کی دعوت نہ دیتی۔چند لمحوں کی بے تابی نے اس کے رسوا کن قول کا تذکرہ قرآن مجید میں کروادیا۔بے حیائی والے کام کی نسبت قیامت تک اس کی طرف ہوتی رہے گی۔عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ بدنظری کی رسوائیاں کتنی بڑی اور کتنی بُری ہوتی ہیں۔'' (صفحہ ۵۰)

بدنظری کے عنوان کے تحت اِس باب میں جا بہ جا قیمتی باتیں اور دل کو جھنجھوڑنے والے ارشاداتِ اکابر مذکور ہیں۔مختلف مقامات سے چند باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

''غیر محرم کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا فساد کا بیج ہے۔شیطان غیر محرم کے چہروں کو مزین کرکے پیش کرتا ہے،ویسے بھی دور سے ہر چیز بھلی نظر آتی ہے۔اسی لیے تو مثل مشہور ہے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوا

کرتے ہیں۔'' (صفحہ ۵۱، ۵۲)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بدنظری چاہے کتنی ہی زیادہ کی جائے، چاہے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو گھورا جائے، سیری نہیں ہوتی'' (صفحہ ۵۴)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''نگاہ کا تیر پھینکا جائے تو پھینکنے والا پہلے قتل ہوجاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ نگاہ ڈالنے والا دوسری نگاہ کو اپنے زخم کا مداوا سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ زخم کو زیادہ گہرا کرتا ہے۔''

(صفحہ ۵۴، بحوالہ الجواب الکافی، ص ۴۱۷)

اگلے صفحہ پر ایک ذیلی عنوان ہے ''بدنظری سے بوڑھے بھی محفوظ نہیں'' اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''وہ بوڑھے جو عملی طور پر جماع کی قدرت ہی نہیں رکھتے، وہ بھی بدنظری کے گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں؛ بلکہ ان میں گناہ کی حسرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔'' (صفحہ ۵۵)

آگے بدنظری کے وبال اور نقصانات سے متعلق اہل اللہ و مشائخ کے مختلف تجربات و اقوال منقول ہیں: مثلاً:

(۱) ''بدنظری کی وجہ سے عبادت کی حلاوت اور لذت فنا ہوجاتی ہے۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ عبادات کے چھوٹنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔'' (حضرت شیخ الحدیثؒ، صفحہ ۵۶، ۵۷)

(۲) ''بدنظری سے قوت حافظہ بھی کمزور ہوجاتی ہے۔'' (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۵۷)

(۳) ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ذلت وخواری چاہتے ہیں تو اسے خوبصورت چہرے دیکھنے کی عادت میں مبتلا کردیتے ہیں۔'' (شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۵۸)

(۴) ''بدنظری کے اثراتِ بد میں سے ایک یہ ہے کہ رزق، وقت اور زندگی میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔'' (ص ۵۸، ۵۹ ملخصاً)

غرض پورے باب میں بدنظری کے نقصانات انتہائی عبرت انگیز انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد بدنظری کے متعدد علاج قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال سلف اور خود مؤلف کتاب کے تجربات کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر مختصر الفاظ میں چند علاج پیش ہیں۔

قرآنی نسخے:

(۱) نگاہیں نیچی رکھیں۔(سورۃ النور:۳۰) (۲) جتنا جلدی ہو سکے نکاح کرلیں۔(سورۃ النساء:۳)

(۳) ذکر کا اہتمام کریں۔ (سورۃ الاعراف:۲۱)

(۴) یہ سوچیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ (سورۃ العلق:۱۴)

(۵) جب بھی نامحرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ ہو، اپنی قوت ارادی سے اس کے خلاف عمل کریں۔
(مستنبط من سورۃ العنکبوت:۶۹)

(۶) بہ وقت تقاضہ یہ سوچیں کہ یہ آنکھیں اللہ کی نعمت ہیں۔ (سورۃ النساء:۵۸)

(۷) جب بھی تقاضہ ہو یہ سوچیں کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل ڈر جائیں۔
(سورۃ الحدید:۱۶) (صفحہ ۷۴ تا ۷۹ ملخصاً)

حدیثی نسخے:

(۱) ''اگر کسی غیر محرم پر اچانک نظر پڑ جائے اور اس کا حسن و جمال دل میں اتر جائے تو چاہیے کہ گھر آ کر اپنی بیوی سے ہمبستری کرے۔'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۱۴۰۳)

(۲) بدنظری کے موقعے پر یہ سوچے کہ جس طرح میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ میری محرم عورتوں کی طرف شیطانی نظر سے دیکھیں، اسی طرح اور لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ میں ان کی عورتوں کو للچائی نظروں سے دیکھوں۔ اس سے دل کو ٹھنڈک اور سکون نصیب ہوگا، بدنظری کا داعیہ کمزور ہو جائے گا۔
(مسند احمد، حدیث ۲۲۲۱۱) (صفحہ ۷۹، ۸۰ ملخصًا)

چند مزید نسخے:

(۱) خیال بدلے (۲) نفس کو سزا دے (۳) بدنظری کے مواقع سے بھی بچے (۴) بیوی کو خوش رکھے (۵) اپنے آپ کو بے طمع کرلے (۶) حور کی خوبیوں کا تصور کرے (۷) دیدار الٰہی سے محرومی کا تصور کرے (۸) اپنی ماں بیٹی کا تصور کرے (۹) آنکھوں میں سلائی پھرنے کا تصور کرے (۱۰) اللہ پاک کی پکڑ کا تصور کریں (۱۱) اپنے نفس سے مناظرہ کرے (۱۲) سالکین مراقبہ معیت کا استحضار کریں۔
(تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ ۸۱ تا صفحہ ۹۲)

تیسرے باب کا عنوان ہے ''حجاب کا حکم''۔

اس باب میں ''ستر اور حجاب کا پس منظر''، ''سترِ عورت اور حجاب کا موازنہ''، ''حجاب کے سلسلے میں قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور عقل کی روشنی میں دلائل''، ''شرعی پردے کے تین درجے''، ''چہرے کے پردے کے سلسلے میں اعتراضات اور ان کے جوابات''، ''بے پردگی کا عبرتناک انجام''، ''باریک کپڑوں کا استعمال''، اور ''پردہ داری کی برکات'' جیسے ذیلی عناوین پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ حجاب سے متعلق قرآن مجید کی سات آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ستر احادیث ہیں۔ حجاب سے مراد یہ ہے کہ حتی الوسع عورت گھر میں ہی رہے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت نکلنا پڑے تو اپنے جسم اور زیب و زینت کو چادر برقعے کے ذریعے غیر محرم سے چھپائے۔'' (صفحہ ۹۵، ۹۶)

''فرنگی ماحول میں محرم غیر محرم اور پردہ بے پردگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عریانی اور فحاشی اپنے عروج پر ہے۔ پڑھے لکھے تہذیب یافتہ لوگ دین سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے حیوانِ ناطق بنے ہوئے ہیں۔ گھروں میں بچوں کے سامنے ماں باپ بوس و کنار میں مشغول ہوتے ہیں۔ عورتیں اور مرد گھروں میں شارٹ لباس پہن کر پھرتے ہیں۔ مرد اور عورت اپنی خوشی سے زنا کریں تو اسے قانون کی نظر میں جرم ہی تصور نہیں کیا جاتا۔'' (صفحہ ۱۱۹)

چوتھے باب میں ''مخلوط محفلوں سے اجتناب'' کی تاکید کی گئی ہے۔ چناں چہ اس باب میں متعدد الگ الگ عنوانات پر بحث ہے۔ خاص طور پر ''شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال'' کا عنوان کافی اہم ہے، جس میں بڑے خوبصورت انداز میں دلائل کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ شریعت اسلامی نے جب ''عورتوں کی تعلیم کا دن جدا رکھا''، ''ان کی گذرگاہ (مردوں کی گذرگاہ سے) جدا رکھی''، اسی طرح ''مسجد میں داخلے کا دروازہ ان کے لئے جدا رکھا گیا''، نیز ''عورتوں کی صفیں مردوں سے جدا رکھی گئیں''، بل کہ اس سے بڑھ کر ''عورتوں کے لئے فرض نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد آنے کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی'' تو پھر مخلوط محفلوں میں شرکت کو کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔

(دیکھیے: صفحہ ۱۳۲ تا صفحہ ۱۳۶)

بے حیائی کے فروغ کا ایک بڑا سبب مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفلیں اور بچوں اور بچیوں کا مخلوط تعلیمی نظام ہے۔ چنانچہ کتاب میں اس حوالے سے مختلف عبرت ناک واقعات ذکر کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ مخلوط محفلوں کے کئی نقصانات ہیں۔ مثلاً: غیر محرم سے گفتگو کرنے میں جھجک ختم ہوجاتی ہے، لڑکیاں اور عورتیں فیشن پرستی میں مبتلا ہوتی ہیں، پھر آپس میں دوستی کا تعلق ہوجاتا ہے، نتیجۃً جنسی بے راہ روی تک بات جا پہنچتی ہے۔

اس ضمن میں مؤلفِ کتاب نے دو اہم اصول بھی ذکر کئے ہیں، جن کی افادیت کے پیشِ نظر یہاں ان کو ذکر کیا جارہا ہے۔

1. If any thing can go wrong, it will go wrong)

(اگر گناہ کا موقع ملتا رہے گا تو ایک نہ ایک دن ارتکاب ہو ہی جائے گا) (Murphy's law)

2. Rather to be safe than to be sorry.

(احتیاط کرنا شرمندہ ہونے سے بہتر ہے)

باب (۵) سے باب (۸) تک علی الترتیب: ''زنا کے اسباب''، ''زنا کی اقسام''، ''زنا کے نقصانات'' اور ''زنا کی سزا'' کے عنوانات پر مشتمل ہے، جس میں تفصیل سے ہر ایک عنوان پر کلام کیا گیا ہے۔ ان ابواب میں سے متفرق مقامات سے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ ''اگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (جیسا شخص) استاد ہوں اور رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا (جیسی نیک عورت) شاگردہ ہوں اور دونوں تنہائی میں قرآن (پاک جیسی مقدس کتاب) پڑھ رہے ہوں تو بھی شیطان کوشش کرے گا کہ دونوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کردے۔'' (صفحہ ۱۹۰)

''انسان بعض اوقات ایسی غلطیاں کر بیٹھتا ہے جو پوری زندگی کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ عورت کسی نامحرم مرد سے اپنے ذاتی معاملات پر باتیں کرنی شروع کردے۔ اس کی ابتدا کتنے ہی خلوص پر مبنی کیوں نہ ہو، اس کی انتہا ہمیشہ بُری ہوتی ہے۔۔۔ شروع میں فریقین کو اس بات چیت میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ دونوں میں ناجائز تعلقات کی صورت بن جاتی ہے۔'' (صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹)

گانا بجانا بھی زنا کا ایک زینہ ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام میں گانے بجانے کی مذمت بڑے سخت الفاظ میں وارد ہوئی ہے، اس پر وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں اور اس کے سنگین نقصانات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ چناں چہ مؤلف کتاب (حضرت جی قدس سرہ) نے گانے بجانے کی مذمت پر مشتمل متعدد احادیث مبارکہ ذکر کرنے کے بعد اس کے مُضِر اثرات پر تقریباً ۱۴ رصفحات میں ایک زبردست تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے، جس کا مطالعہ ''مفید'' بھی ہے اور ''چشم کشا'' بھی۔ ان صفحات میں پیش کردہ تحقیق کے مطالعے سے جہاں موسیقی کی ابتداء، اس کی تدریجی ترقی، لوگوں میں اس کی مقبولیت کے ظاہری اسباب وعوامل سے واقفیت ہوتی ہے اور اس ضمن میں مغربی دنیا کی تجارتی تشہیر کا انداز معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام دشمنوں کی ناپاک سازشوں سے آگاہی ہوتی ہے، وہیں مؤلفِ کتاب کا اندازِ تحقیق بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اس تحقیقی جائزے سے چند متفرق اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

''چند سال پہلے فرنگی ماحول میں ہم جنس پرست کو نہایت بُری نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر جب قانون نے اجازت دے دی تو رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے مشہور گانوں کی موسیقی میں پس منظر پیغام شامل کیے گئے۔ (مثلاً Gays life Style ''ہم جنس پرستی ٹھیک ہے۔''

لہٰذا آج فرنگی ماحول میں اگر کوئی ہم جنس پرستی کو بُرا کہے تو اس شخص کو انتہائی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ مرد اور عورتیں سب اس طرزِ زندگی کو دل و جان سے قبول کر چکے ہیں، حتیٰ کہ ڈاکٹر حضرات پہلے اس کے طبی نقصانات گنوایا کرتے تھے، اب ان کی زبانیں بھی گنگ ہوگئی ہیں، ان کے لبوں پر سکوت کی مہر لگ گئی ہے۔'' (صفحہ ۲۳۴)

موسیقی کے ایمانی، اخلاقی و روحانی نقصانات میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے موسیقی سننے کا عادی رہ چکا ہو، لیکن پھر بعد میں اس سے توبہ کرلے اور نیکی کی زندگی بھی گزارنے لگے، تب بھی اگر اس کے کان میں موسیقی کی آواز پڑ جائے تو وہ اپنے آپ کو اس کے نقصان سے بچا نہیں پاتا۔ چناں چہ اسی سلسلے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ موسیقی کا شوقین آدمی نیک لوگوں کے ساتھ مل کر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہوجائے، اس کے دل کے اندر موسیقی کی نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ ۲۰ رسال نیکی کی زندگی گذارنے کے

باوجود اگر کبھی وہ بازار یا دکان کے قریب سے گذرے اور اُسے کوئی پرانا گانا سنائی دے تو وہ پھڑک جاتا ہے۔ایک لمحہ میں بیس سال کی محنت دھری کی دھری رہ جاتی ہے، پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں...موسیقی کے جراثیم مرنے تک بندے کے دماغ میں موجود رہتے ہیں۔اچھا شخص وہی ہے جو اس مصیبت کے قریب بھی نہ جائے،اپنے دل ودماغ کو سرتال (گانوں کے ساز) سے خالی رکھے۔'' (صفحہ ۲۳۷،۲۳۸)

اسلامی شریعت نے بے حیائی،عریانی اور فحاشی کو ختم کرنے کے لئے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا؛ بلکہ ان تمام ذرائع کو بھی حرام قرار دیا،جن سے زنا کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں۔

چنانچہ مؤلف کتاب نے اس پر بھی تفصیل سے کلام کیا ہے۔عنوان کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کا خلاصہ (دلائل کے ذکر کے بغیر) ذیل میں پیش ہے۔

(۱) فقہاء نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ عورت کا نام غیر محرم کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے۔اگر کہیں بتانے کی ضرورت بھی ہو تو کنیت وغیرہ استعمال کی جائے۔مثلاً: ام حبیب،ہمشیرہ فلاں، یا زوجہ فلاں وغیرہ۔بس مجبوری (شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ جیسے امور) کے وقت ہی عورت کا نام ظاہر کیا جائے۔اس لیے کہ ذاتی نام میں بھی ایک طرح کی کشش ہوتی ہے۔

(۲) عورت اپنے گھر میں آہستہ بولنے کی عادت ڈالے۔(اس کے لئے) اتنی اونچی آواز سے بولنا منع ہے،جس سے عورت کی آواز بلا مقصد غیر محرم تک پہونچے۔

(۳) اگر کسی اجنبی مرد سے پردے کی اوٹ سے باتیں کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی آواز میں لوچ اور شیرینی پیدا نہ ہونے پائے،تاکہ کسی بد باطن کو میلان نہ ہونے پائے۔

(۴) عورت راستہ چلتے ہوئے غیر محرم مردوں کو سلام نہ کرے۔

(۵) عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا بچا ہوا پانی یا کھانا کسی غیر مرد کو بھیجے۔

(۶) عورت اپنے کپڑے ایسی جگہ نہ لٹکائے یا رکھے، جہاں غیر محرم مرد کی نگاہ پڑتی ہو یا جہاں غیر محرم مرد کو دیکھنے یا چھونے کا موقع مل سکتا ہو۔

(۷) عورت جب اپنے سر میں کنگھی کرے اور بال گریں تو انہیں کسی پوشیدہ جگہ پر چھپا دے۔

(۸) عورت اپنے ہاتھ پاؤں میں بجنے والے زیورات پہننے سے احتراز کرے۔

(۹) عورت اپنے گھر سے بے پردہ ہو کر نہ نکلے۔

(۱۰) عورت بن سنور کر باہر نہ نکلے۔

(۱۱) اسی طرح خوشبو لگا کر بھی نہ نکلے۔

(۱۲) نیز عورتوں کو چاہیے کہ وہ فتنے سے بچنے کی خاطر راستے کے درمیان سے نہ گذریں، بلکہ کناروں سے گذریں۔

(۱۳) اسی طرح عورت، اجنبی مرد سے مصافحہ بھی نہ کرے۔ دین اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

(۱۴) نیز عورت کسی غیر محرم کو خط نہ لکھے۔ اگر کوئی ضروری بات پہونچانا ہو، جیسے عالم دین سے مسائل دینیہ معلوم کرنا ہو یا شیخ و مربی کو اطلاع حالات کرنا ہو تب بھی ضروری ہے کہ اپنے محرم مردوں کی اجازت اور انہی کی وساطت سے بات یا خط پہونچائے۔

(۱۵) اسی طرح شریعت اسلامی نے مردوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو پہلے اہل خانہ سے اجازت لے لیں۔

(۱۶) بلکہ شریعت اسلامی میں تو اس بات کی ہدایت ہے کہ مرد خود اپنے گھر میں بھی داخل ہونا چاہتا ہے تو پہلے اجازت لے لے، کہیں وہ اپنی محرم عورتوں (ماں، بہن، بیٹی) کو نامناسب حالت میں نہ دیکھ لے۔

(۱۷) اسی طرح مردوں کو حکم ہے کہ وہ راستوں میں نہ بیٹھیں۔

(۱۸) نیز شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ کوئی عورت اپنے مرد کے سامنے دوسری عورت کا حال کھل کر بیان نہ کرے۔

(۱۹) نیز نبی علیہ السلام نے مرد کو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی تنہائی کی باتیں کسی غیر مرد سے بیان کرے۔

(۲۰) نیز مرد کو دوسرے مردوں کے سامنے اور عورت کو دوسری عورتوں کے سامنے شہوت انگیز باتیں یا فحش ہنسی مذاق کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

(۲۱) حدیث پاک میں اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ دو مرد یا دو عورتیں ایک ساتھ ایک بستر پر لیٹیں یا مشترکہ طور پر ایک چادر اوڑھیں۔

(۲۲) حتی کہ والدین کو حکم ہے کہ بچے جب دس سال کی عمر کو پہونچ جائیں تو ان کے بستر الگ کر دیں۔
(۲۳) اسی طرح شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں اور ان کے لیے مناسب رشتہ مل جائے تو فوراً ان کا نکاح کر دیں؛ اس لیے کہ نکاح میں تاخیر بھی بے حیائی کے فروغ کا ذریعہ اور زنا کا زینہ ہے۔ (تلخیص صفحہ ۲۵۰ تا صفحہ ۲۶۶)

آگے باب (۶) میں زنا کے اقسام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، پھر باب (۷) میں زنا کے معاشی، معاشرتی، طبی اور دینی نقصانات کو بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ طوالت کے اندیشہ سے اقتباسات و دیگر تفصیلات کے بجائے زنا کے مختلف نقصانات ذیل میں اجمالاً ذکر کیے جاتے ہیں۔

(الف) زنا کے معاشی نقصانات:

(۱) بے برکتی (۲) رزق میں تنگی (۳) کامیابی کے راستے بند (۴) مصائب و آلام (۵) خشک سالی۔

(ب) معاشرتی نقصانات:

(۱) عوام سے وحشت (۲) آباد گھر کی بربادی (۳) ذلت و رسوائی (۴) نسب پہ دھبہ (۵) رشتے ناطے ختم (۶) قتل و فساد

(ج) طبّی نقصانات:

(۱) سکون دل سے محرومی (۲) عقل میں فساد (۳) دل اور بدن میں کمزوری (۴) چہرے کا نور ختم (۵) عمر کا گھٹ جانا (۶) کثرت اموات (۷) طاعون کا پھیلنا (۸) خطرناک بیماریوں کا پھیلنا۔

(د) دینی نقصانات:

(۱) برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے (۲) زانی پر گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں (۳) غیرتِ ایمانی کم ہو جاتی ہے (۴) توفیق توبہ سلب ہو جاتی ہے (۵) قلب میں سختی پیدا ہو جاتی ہے (۶) نیکیوں کی انجام دہی سے محروم ہو جاتا ہے (۷) اللہ تعالیٰ سے وحشت ہونے لگتی ہے (۸) لعنت نبوی کا مستحق بن جاتا ہے (۹) رحمت خداوندی سے بھی مایوسی ہونے لگتی ہے (۱۰) زنا کار انسان پر اللہ ربّ العزت کو بڑی غیرت آتی ہے (۱۱) زنا کے وقت ایمان دل سے نکل جاتا ہے (۱۲) زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

ہے (۱۳) یہ جرم عظیم ہے (۱۴) زنا کار پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ (خلاصہ صفحہ ۳۰۵ تا صفحہ ۳۲۸)

آٹھواں باب زنا کی سزاؤں سے متعلق بحث پر مشتمل ہے۔ اس باب میں ابتداءً بدگمانی، تجسس، سرگوشی، غیبت اور پھر بہتان تراشی پر کلام کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مختلف گناہوں (چوری، ڈاکہ، قتل اور زنا) پر دی جانے والی اسلامی سزاؤں کا آپس میں موازنہ کیا گیا ہے۔ نیز زنا پر جاری کی جانے والی حد کی عقلی توجیہ بھی پیش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل دو مفید اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''زانی شخص کسی مسلمان کی عزت و آبرو کو لوٹ لیتا ہے، لہذا اس کی سزا مال لوٹنے کی نسبت زیادہ سخت ہونی چاہیے۔ عام دستور کو سامنے رکھتے ہوئے تو ذہن اس طرف جاتا ہے کہ زانی کی شرم گاہ کو کاٹ دینا چاہیے۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری، لیکن اس میں دو نکات قابل غور ہیں۔ اگر ایسا کر دیا جائے تو ایک تو ہمیشہ کے لیے انسانی نسل کا انقطاع لازم ہوا۔ دوسرا اس سزا کا عام آدمی کو علم ہی نہیں ہوگا، لہذا وہ عبرت نہیں حاصل کر سکے گا۔ اس بناء پر شرع شریف نے اس کی سزا کوڑے تجویز فرمائی ہے۔''

(صفحہ ۳۳۵، ۳۳۶)

اسی طرح ''یہ (بات بھی) صاف ظاہر ہے کہ زنا میں لذت صرف خاص اعضاء کو ہی نہیں ملتی؛ بلکہ جسم کے انگ انگ میں اس کیف و سرور کی مستی چھا جاتی ہے اور انزال کے وقت تو رواں رواں اس لذت کو محسوس کرتا ہے۔ لہذا کوڑے لگنے کی سزا بہت مناسب معلوم ہوتی ہے؛ تاکہ ظاہری طور پر پورے جسم کو اذیت پہونچے۔ یاد رہے کہ یہ سزا غیر شادی شدہ زانی کے لئے ہے۔ اگر بالفرض کوئی شادی شدہ شخص زنا کرے اور قاضی کے پاس جا کر اقرار کرے یا شرعی گواہ بھی پیش ہو جائیں تو پھر اس کی سزا رجم ہے۔'' (صفحہ ۳۳۶)

بے حیائی کی مذمت کے بیان، اس کے فروغ پانے کے مختلف اسباب کی نشاندہی، بدنظری اور زنا کے اقسام اور اس کے نقصانات کے تفصیلی تذکرے، شریعت مطہرہ میں وارد پاک دامنی کی اہمیت پر مبنی تعلیمات اور بے حیائی و زنا کاری کے سلسلے میں منقول وعیدیں اور بیانات رقم کرنے کے بعد ضروری تھا کہ وہ بنیادی باتیں بھی لکھ دی جائیں کہ جن کے اہتمام سے اس بے حیائی کی وبا سے بچنا آسان ہوتا ہے تاکہ اس خطرناک قسم کی روحانی بیماری کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہونے کے بعد اس سے بچنے کے طریقے بھی اپنائے جا سکیں۔ چناں چہ مؤلفِ کتاب نے کتاب کے اخیر میں دو قیمتی ابواب رکھے ہیں:

(۱)شہوت پر کنٹرول کیسے کریں۔ (۲)زنا سے توبہ۔

ان دونوں ابواب کے مشمولات کے مطالعے سے دل میں ان کی اہمیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ پہلے باب میں شہوت پر کنٹرول کرنے کے قرآنی، حدیثی اور تجرباتی نسخے تفصیلات کے ساتھ مذکور ہیں۔ مثلاً قرآنی نسخوں میں سے یہ ہے کہ(۱) نکاح کی استطاعت ہوتو اس میں تاخیر نہ کریں۔(۲) اور اگر نکاح کرنے میں شرعی رکاوٹیں ہوں تو صبر و ضبط سے کام لے۔ اسی طرح بدنظری سے بچنے کے لئے (۱) نگاہوں کی حفاظت کریں۔(۲) فاسقین کی صحبت سے پرہیز کریں۔(۳) نماز کے ذریعے مدد حاصل کریں۔(۴) کثرت ذکر الٰہی کا اہتمام کریں۔

اسی طرح حدیثی علاج یہ ہے کہ(۱) روزوں کا اہتمام کریں۔(۲) باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ (۳) دعائیں مانگیں۔ ان کے علاوہ مؤلف کتاب نے ''شہوت کا فقیری علاج'' کے زیرِ عنوان تصوف و سلوک کی راہ میں اپنی طویل مدتی خدمات کی بہ دولت حاصل شدہ اپنے قیمتی تجربات کی روشنی میں بہترین رہنمایانہ خطوط بھی ذکر کیے ہیں۔ جن کا اجمالی بیان یہ ہے۔(۱) فارغ نہ رہیں۔(۲) تنہائی میں نہ رہیں۔ (۳) بغیر نیند لیٹنے سے گریز کریں۔(۴) بیت الخلاء میں زیادہ دیر نہ لگائیں۔(۵) فحش مذاق سے بچیں۔ (۶) بدنظری کے مواقع سے بچیں۔(۷) قبرستان جاتے رہا کریں۔(۸) جلتی آگ سے عبرت پکڑیں۔ (۹) روزِ محشر کی ذلت کا تصور کریں۔(۱۰) معیت الٰہی کا استحضار رکھیں۔(۱۱) شہوت انگیز ماحول سے اجتناب کریں وغیرہ۔

سب سے آخری باب ''زنا سے توبہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مؤلف قدس سرہ نے ایسی قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، واقعات اور باتیں پیش کی ہیں، جن سے توبہ کی ترغیب پیدا ہوتی ہے، اور رحمت الٰہی سے مایوسی کے بجائے امید پیدا ہوتی ہے۔

☆☆☆

زیرِ تعارف کتاب ''حیا اور پاکدامنی'' کی اشاعتِ اوّل گرچہ ۲۰۰۴ء میں ہوئی؛ لیکن موجودہ زمانے میں عالمگیر سطح پر بے حیائی کا بڑھتا ہوا سیلاب اور اس کی وجہ سے دینی و روحانی، خاندانی و اخلاقی اعتبار سے واقع ہونے والی تباہ کاریوں اور نقصانات کا تھوڑا سا بھی کسی کو اندازہ ہو تو وہ کتاب کے مشمولات کا مطالعہ

کرنے کے بعد شاید یہ رائے قائم کیے بغیر نہیں رہے گا کہ یہ کتاب اپنے وقتِ اشاعت سے کہیں زیادہ ''آج'' کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے عنوان کے تحت ''دلِ مسلم'' کے لیے جو ''زندہ تمنائیں'' مانگی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کر
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

چنانچہ ''حیا اور پاکدامنی'' کتاب کے مطالعہ سے جہاں مؤلفِ کتاب کی دوراندیشی، زمانہ شناسی اور مستقبل کے حالات کا قبل از وقت ادراک کر لینے کی غیر معمولی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب کو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے بہ قول اقبال ''آثارِ مصیبت کا احساس'' اور ''امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا کا ادراک'' ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اپنی اشاعتِ اوّل (۲۰۰۴ء) سے لیکر آج (۲۰۲۶ء) تک اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی بار شائع ہوئی اور کہاں کہاں شائع ہوئی اور تا ہنوز اس کی اشاعت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کتاب (حضرت جی قدس سرہ) کو اپنی طرف سے خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

خُطوط ہائے راہِ مَعرفت

درسِ قصدُ السبیل

(قسط نمبر ۶)

ہدایت ہفتم

راہِ سلوک کا ایک اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ سالک اپنے دل کو تشویش، اضطراب اور فکری انتشار سے دور رکھے۔ 'تشویش' دراصل دل کی اس کیفیت کا نام ہے جسے ہم تذبذب، کنفیوژن، اور فکری پراگندگی کہتے ہیں، یعنی یہ خلجان کہ ''کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے؟ یوں کیا جائے یا یوں کیا جائے؟'' یہ ذہنی عدمِ استحکام انسان کی باطنی ترقی کے لیے سمِ قاتل ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ساتویں ہدایت: تشویش قلب کے اسباب:

دل کو تشویش اور پریشانی میں رکھنے والے اسباب سے دور رہے، کیوں کہ جمعیتِ قلب یعنی دل کا اطمینان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، تشویش کے کئی اسباب ہیں، ان میں سے چند ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

تشریح:

فقہی اور اخلاقی اعتبار سے یہ بات نہایت اہم ہے کہ انسان اپنی ذات یا اپنے کسی عمل سے کسی دوسرے کو تشویش و ذہنی اذیت میں مبتلا نہ کرے۔ معاملات کو صاف نہ رکھنا، ابہام پیدا کرنا اور کسی کو معلق رکھنا شرعاً ناپسندیدہ اور حرام ہے۔ جب دوسروں کو تشویش میں مبتلا کرنا گناہ ہے، تو خود اپنے دل کو بھی ایسی فضول فکری الجھنوں میں ڈالنا دانشمندی نہیں۔ یاد رکھیے! ''جمعیتِ قلب'' (دل کا سکون و یکسوئی) اللہ تعالیٰ

کی بہت بڑی نعمت ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ”جمعیتِ قلبی بہت بڑی چیز ہے۔ میرے تمام اصول، ضوابط اور خانقاہی سختیاں جو بہ ظاہر نظر آتی ہیں، ان کا واحد مقصد یہی ہے کہ تمہیں بھی جمعیتِ قلبی نصیب ہو اور مجھے بھی۔“

سچی بات یہ ہے کہ زندگی میں اگر نظم وضبط (ڈسپلن) اور حسنِ انتظام نہ ہو، تو دل کو اطمینان کبھی نصیب نہیں ہوسکتا۔ بے انتظام شخص کی زندگی تاریک اور مبہم ہوتی ہے۔ اسے اپنی صبح وشام، اکل وشرب اور خواب وبیداری کا کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ ایسی بے ہنگم زندگی سنتِ نبوی کے سراسر خلاف ہے، جب کہ پرسکون، یکسو اور مرتب زندگی عینِ سنت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان اس فکری انتشار اور تشویشِ قلب کا شکار کیوں ہوتا ہے؟ اس کے چند اہم اسباب اور ان کا حل درج ذیل ہے: چناں چہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ناسازیٔ صحت: سالک کو چاہیے کہ اپنی صحت کی بہت حفاظت کرے، بے عنوانی و بے احتیاطی سے بچتا رہے، دماغ کو تر وتازہ رکھے اور دل کو مسرور ومطمئن رکھے، غذا کے ذریعہ بھی دوا کے ذریعہ بھی، غذا میں نہ اتنی کمی کرے کہ ضعف اور خشکی محسوس ہونے لگے اور نہ اتنی زیادتی کرے کہ ہاضمہ خراب ہو اور سستی و کاہلی پیدا ہوجائے، بلکہ اعتدال کے ساتھ مناسب اور صحت افزا غذاؤں کا استعمال کرے، کھانا خوب بھوک لگنے کے بعد کھائے، اور تھوڑی سی اشتہاء باقی رہنے پر ہی ختم کردے، اسی طرح جماع کی کثرت سے احتیاط بھی صحتِ جسمانی کے لیے ضروری ہے، بہت زیادہ تقاضے پر ہی ہم بستری کرے؛ اسی طرح سونے میں بھی اعتدال ضروری ہے، بہت زیادہ سونے سے کسل اور سستی پیدا ہوتی ہے، اور زیادہ جاگنے سے بھی دماغی خشکی پیدا ہوجاتی ہے۔

تشریح:

صحت کے ناساز ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ انسان بستر پر پڑا ہو یا کسی بڑی بیماری (جیسے شوگر یا بلڈ پریشر) میں مبتلا ہو۔ بلکہ کامل طور پر ”صحت مند نہ ہونا“ ہی ناسازیٔ صحت ہے۔ سالکِ راہِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی صحت کی کڑی حفاظت کرے، بے احتیاطی سے بچے، دماغ کو تر وتازہ اور دل کو مسرور رکھے۔

بعض اوقات سالکین مشائخ عظام کے پاس حاضر ہو کر عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں کہ" مجھے انوارات نظر آرہے ہیں، میں ہوا میں اُڑ رہا ہوں، یا ہری روشنیاں دکھائی دیتی ہیں، وغیرہ۔ عارفینِ کاملین ان کی اس نفسیاتی ودماغی خشکی کو بھانپ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''بابا! زمین پر آؤ، رات کو سر پر تیل لگا کر سویا کرو، صبح سبزے پر چہل قدمی کرو، اور مٹی کے برتن پر بادام گھس کر، چھلکا اتار کر کھایا کرو۔'' یہ بہ ظاہر کشف وکرامات نہیں بلکہ دماغی کمزوری یا خشکی کے مظاہر ہوتے ہیں، جن کا علاج صحت کی بحالی میں ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''صبح کی تازہ ہوا میں ٹہلنا، چہل قدمی کرنا اگر اس نیت سے ہو کہ صحت برقرار رہے، انسان چست رہے، اپنے کام خود کرے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنے، تو یہ عمل اپنی جگہ بیٹھ کر ذکر و تلاوت کرنے اور اشراق پڑھنے سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ انسان اگر ٹہلتے ٹہلتے اپنے معمولات پورے کر لے اور بعد میں اشراق پڑھ لے، تو ثواب بھی مل جائے گا اور صحت بھی محفوظ رہے گی۔ بستر پر پڑ کر دوسروں کا محتاج بننے والی زندگی پسندیدہ نہیں۔''

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی کسی کی محتاجی پسند نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماثور دعاؤں میں یہ التجا شامل ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ

(صحیح البخاری/کتاب الدعوات/حدیث: ۶۳۶۵)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ عمر کے اس حصے کو پہنچوں جہاں دوسروں کا محتاج ہونا پڑے۔

انسانی صحت کی اہمیت اس قدر ہے کہ جیسے معدے کو بھوک کا احساس ہوتا ہے، ویسے ہی دماغ کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دماغ کی بہترین غذا سر پر مناسب تیل لگانا ہے۔ یہ تمام مشائخ اور خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی معمول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے مبارک اکثر تیل سے تر رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اعتکاف کے دنوں میں بھی، قیلولہ کے وقت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارکہ سے متصل پردے کی اوٹ میں سرِ مبارک امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھ دیتے اور وہ حالتِ آرام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ انور پر تیل لگا کر کنگھا کر دیا کرتی تھیں۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا

كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا يُنَاوِلُهَا رَأْسَهُ (صحیح البخاری/کتاب الاعتکاف/حدیث:۲۰۴۶)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں تیل کنگھی کرتی تھیں، حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے تھے اور وہ اپنے کمرہ میں ہوتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنا سر قریب کر دیتے (تو وہ آپ کے سر میں تیل کنگھی کرتی دیتی تھیں۔)

آج کل کے بعض سالکین راہِ سلوک میں قدم رکھتے ہی حلیہ بگاڑ لیتے ہیں، جس سے اپنے تو اپنے، بیگانوں کی نظر میں بھی دین بدنام ہوتا ہے کہ ''یہ تو دیوانہ ہو گیا۔'' اپنے آپ کو شریعت کی حدود میں رہ کر سنوارنا اور برقرار رکھنا عینِ مطلوب ہے۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے اطباء کا یہ نسخہ نہایت مفید ہے کہ رات کو بادام بھگو دیں، صبح چھلکا اتار کر مٹی کے کورے برتن پر گھس کر اسے چاٹ لیں۔

تفکرات وخیالات دماغ میں ابھرتے ہیں، مگر ان کا گہرا اثر دل پر ہوتا ہے۔ دل کو بے جا تفکرات کی آماج گاہ بنانا صریحاً نقصان دہ ہے، جس سے جسمانی اعضاء بھی مفلوج ہوتے ہیں اور دل کے امراض جنم لیتے ہیں۔ فکری ہجوم سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ فکر آئے تو اسے دل میں جگہ نہ دی جائے، اسے پالنے کے بجائے اس کا مناسب حل نکال کر اسے رخصت کر دیا جائے۔

دل کو خوش رکھنے کے لیے جائز حدود میں رہتے ہوئے فرحت بخش اسباب اختیار کریں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے بچوں کو ''مُفَرِّحُ القلوب'' (دلوں کو خوشی دینے والا) بنایا ہے۔ بچوں کے ساتھ ہنسنا، بولنا اور ان کی معصوم شرارتوں سے لطف اندوز ہونا دل کے بوجھ کو ہلکا کرتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے شفقت آمیز مزاح فرمایا کرتے تھے۔''

انسانی صحت کی حفاظت اور جسمانی پختگی کے لیے دوا اور غذا دونوں میں اعتدال شرط ہے۔ اگر کسی مرض (جیسے شوگر وغیرہ) کی وجہ سے مستقل دوا تجویز کی گئی ہو، تو سستی یا کسی غلط فلسفے کے تحت دوا نہ چھوڑیں، ورنہ مرض بڑھنے سے پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔

غذا کا اصول یہ ہے کہ نہ اتنی کمی کی جائے کہ جسم میں ضعف ونقاہت پیدا ہو جائے۔ اور نہ اتنی زیادتی

کی جائے کہ ہاضمہ خراب ہو اور سستی و کاہلی مسلط ہو جائے۔

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زریں اصول یہ ہے کہ جب خوب بھوک لگے تب کھایا جائے، اور ابھی تھوڑی بھوک باقی ہو تو ہاتھ روک لیا جائے۔

خواب و استراحت میں اعتدال:

جیسے غذا میں اعتدال ضروری ہے، ویسے ہی سونے اور جاگنے میں بھی توازن لازم ہے۔ بہت زیادہ سونا جسم میں سستی اور کاہلی پیدا کرتا ہے، اور بہت زیادہ جاگنا دماغ میں خشکی اور سوداوی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہر معاملے میں دوسروں کی اندھی تقلید (نقل) نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا مزاج اور بدنی تقاضا مختلف بنایا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھ جیسے ضعیف یا مخصوص احوال والے لوگوں کی ہر بات میں نقل نہ کیا کرو۔'' حضرت سردیوں کی شدید راتوں میں چھت پر رکھا ہوا گنے کا ٹھنڈا رس تہجد کے وقت پیا کرتے تھے، اور بچپن میں خارش کا علاج انہوں نے خوب مرچ مصالحے والا گوشت کھا کر کیا تھا؛ یہ ان کے مخصوص احوال تھے، اگر کوئی عام شخص عقل کا استعمال کیے بغیر اس معاملے میں ان کی نقل کرے گا تو اپنی صحت تباہ کر بیٹھے گا۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر زندگی میں شریعت و سنت کے مطابق نظم و ضبط، غذا و دوا میں اعتدال، اور دماغی و جسمانی راحت کا خیال رکھا جائے، تو دل کو وہ جمعیت اور اطمینان نصیب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور سلوکِ الٰہی کی منازل طے کرنے کے لیے سب سے مضبوط سیڑھی ہے۔ اپنے دل کو فرحت دیں، تفکرات سے آزاد رکھیں اور سنتِ نبوی کے نورانی سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالیں۔

ثقیل اور مرغن غذاؤں کا استعمال اور کھانے کی بے احتیاطی:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(۲) ثقیل غذاؤں کا استعمال: بہت مرغن اور دیر سے ہضم ہونے والی غذاؤں کا استعمال بھی تشویشِ قلب کے اسباب میں سے ہے، معمولاً سادہ غذاؤں کا اہتمام رکھنا چاہیے، کبھی کبھار کھا لینے میں کچھ حرج نہیں۔

تشریح:

تشویشِ قلب کا دوسرا بڑا سبب ''ثقیل غذاؤں'' کا بہ کثرت استعمال ہے۔ ثقیل اشیاء سے مراد وہ

مرغن، چکنی اور دیر ہضم غذائیں ہیں جنہیں دورِ حاضر میں ''اسٹرانگ فوڈ'' یا فاسٹ فوڈ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ غذائیں ہیں جو معدے پر بوجھ بن کر سینے میں اٹک جاتی ہیں اور باطنی نظامِ ہضم کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ اطباء اور ڈاکٹر حضرات ہمیشہ ہلکی اور زود ہضم غذاؤں کے استعمال کی ترغیب دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر، جب کسی مریض کے پیٹ کا آپریشن ہوتا ہے، تو اسے چکن یا مٹن جیسی ثقیل چیزیں ہرگز نہیں دی جاتیں بلکہ ہلکی پھلکی غذائیں کھلائی جاتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ''سوپ'' (Soap) پینے کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے، حالاں کہ یہ نہایت مفید چیز ہے۔ سوپ دراصل وہ لطیف جوہر ہے جس میں غذا کا مکھن اور مغز نکل آتا ہے۔ خواہ ویجیٹیبل سوپ ہو یا چکن و مٹن کا، یہ جسم کو بغیر بوجھ ڈالے توانائی بخشتا ہے۔ گوشت کھانے کے بجائے اس کا سوپ پینا کہیں زیادہ نافع ہے۔ اسی طرح پائے کا سوپ بھی بہترین ہے، بشرطیکہ انسان کولیسٹرول کا مریض نہ ہو اور اس کا وزن قابو میں ہو۔ جو لوگ جسمانی طور پر چست اور فٹ ہیں، وہ بکرے کا مغز (بھیجا) اور گودا بڑھاپے میں بھی کھائیں تو نقصان دہ نہیں، کیوں کہ وہ بازاری چکنائیوں کی طرح کولیسٹرول کا سبب نہیں بنتا۔

ہمارے حضرت جی قدس سرہ کا ایک زریں اور تاریخی جملہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے: ''دنیا کی تاریخ میں زیادہ کھا کر مرنے کے تو بے شمار واقعات ملیں گے، مگر کم کھا کر مرنے کا ایک واقعہ بھی پوری ہسٹری (History) میں موجود نہیں ہے۔''

لہٰذا چالیس سال کی عمر گذرنے کے بعد تو مرغن اور آئیلی غذاؤں کو کم کر دینا یا چھوڑ دینا چاہیے، تاکہ معدے پر بوجھ نہ پڑے، بھوک کا بے جا احساس ختم ہو اور جسم کو صرف مطلوبہ غذائیت حاصل ہو جائے۔ یہ غذائیت کس طرح اور کن اشیاء سے حاصل کرنی ہے، اس کا تعین اپنے معالج (ڈاکٹر) کی نگرانی میں کیجیے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہر دن گویا بریانی اور مرغن غذائیں چاہیے۔ اللہ حفاظت فرمائے، اتنی کثرت سے بریانی کھانا صحت کے لیے سمِ قاتل ہے۔ عرب ممالک کے لوگ چکنائی اور گوشت بہت کثرت سے کھاتے ہیں اور ان کے کھانے فربہی اور چکناہٹ سے بھرپور ہوتے ہیں، لیکن جدید طبی تحقیق کے مطابق ان کے ہاں ہارٹ اٹیک (عارضۂ قلب) کا تناسب بہت کم ہے، اگرچہ ان کے ہاں شوگر کے مریض بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ جب ڈاکٹروں نے اس کا سبب تلاش کیا تو تین بنیادی باتیں سامنے آئیں:

(۱) وہ ہر موقع پر کھجور کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں؛ حتیٰ کہ مہمان کا اکرام بھی کھجور سے ہی کرتے ہیں۔

(۲) پھر کھجور کے ساتھ قہوہ پیتے ہیں۔

(۳) اسی طرح جب کبھی چائے پیتے ہیں تو بغیر دودھ کی پیتے ہیں، یعنی black tea پیتے ہیں۔

عربوں کا معمول یہ ہے کہ وہ کھجور اور قہوہ تو بطورِ ذائقہ استعمال کرتے ہیں، لیکن جب کھانا کھانے کے بعد چائے کا تقاضا ہوتا ہے، تو وہ دودھ کے بغیر والی چائے کا ایک بڑا مگ پیتے ہیں۔ یہ چائے ان کی کھائی ہوئی تمام چکنائی کو ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مرغن کھانا کھاتے ہی فوراً دودھ والی روایتی چائے پی لیتے ہیں۔ اطباء کے نزدیک کھانا کھاتے ہی چائے پینا زہر کھانے کے مترادف ہے، چائے کے لیے مناسب وقفہ ناگزیر ہے۔ رمضان المبارک میں (سحر افطار میں) وقت کی کمی کے باعث یہ دقت ضرور پیش آتی ہے، لیکن عام دنوں میں اس سے سخت پرہیز کرنا چاہیے۔

اسی طرح، خالی پیٹ چائے پینا بھی شدید نقصان دہ ہے۔ جس وقت شدید بھوک لگی ہو، اس وقت بھی چائے ہرگز نہ پی جائے؛ کیوں کہ چائے بھوک کو مار دیتی ہے۔ جب جسم کو ٹھوس غذا کی ضرورت ہو اور آپ اسے ایک گرم مائع (لکوٹ) دیں، تو ظاہری طور پر بھوک ختم ہو جاتی ہے مگر یہ عمل جگر کے لیے تباہ کن ہے۔ آپ نے جگر کو دھوکا دیا کہ بھوک کا تقاضا پورا کرنے کے لیے غذا آ رہی ہے، مگر جب جگر کے پاس صرف چائے پہنچی تو اس نے پکارا کہ ''یہ تو غذا نہیں ہے!'' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر باطنی طور پر خشک ہو جاتا ہے اور پھر ہاضمے کے مستقل مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ سفر یا کسی ہنگامی صورت حال کے باعث اگر کبھی کھانا وقت پر نہ ملے اور انتہا درجے کی بھوک لگ جائے، تو عام طور پر لوگ سامنے آنے والے کھانے کے لیے بے صبری سے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہ طریقہ طبی اور باطنی طور پر انتہائی خطرناک ہے اور سخت بھوک کے عالم میں یکبارگی پیٹ بھر کر کھانے سے ہارٹ اٹیک کا خطرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

ایسی صورت حال کا حل یہ ہے کہ شدید بھوک میں فوراً کھانا شروع نہ کریں، بلکہ پہلے کوئی الیکٹرولائٹ ڈرنک (ORS) پی لیں۔ اس سے اندرونی آنتوں کی خشکی دور ہوگی، جگر کی بے چینی ختم ہوگی اور جسم کا نظامِ

مدافعت اعتدال پر آجائے گا۔اس کے دس پندرہ منٹ بعد سکون سے کھانا کھائیں۔

طبّی نقطۂ نظر سے ایک ہی وقت میں پیٹ بھر کر بہت سارا کھانا کھانے کے بجائے، کھانے کو تھوڑا تھوڑا کر کے تین وقت کے بجائے پانچ وقتوں میں تقسیم کر لینا زیادہ مفید ہے۔خاص طور پر جن کا معدہ کمزور ہو یا جو شوگر کے مریض ہوں، انہیں اسی اصول پر عمل کرنا چاہیے۔

اسی طرح آج کل بازار کی چیزوں میں ملاوٹ بہت ہوتی ہے۔کیمیکلز کی ملاوٹ یا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے، جس سے سبزیاں اور پھل معینہ قدرتی مدت سے پہلے ہی پک جاتے ہیں۔اس لیے ان کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے سبزیوں کو پہلے گرم پانی میں ابال کر اس پانی کو پھینک دینا چاہیے، پھر پکانا چاہیے۔نیز چیزوں کو Deep fry (زیادہ مقدار والے تیل میں تلنے) کے بجائے ہلکا پکا کر کھانا صحت کے لیے زیادہ مفید ہے۔

اسی طرح دورِ حاضر کی سہولیات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے Air Fryer (ائیر فرائر) بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس کی وجہ سے قدرتی ذائقہ اور وٹامنز بھی برقرار رہتے ہیں اور پکانے کے اس طریقے میں تیل میں ڈبو کر تلنے کی بہ نسبت 80 فیصد چکنائی میں کمی ہوتی ہے۔

مشائخ عظام سالکینِ طریقت کو بازاری اور کھلی ہوئی چیزیں کھانے سے سخت منع فرماتے ہیں، کیوں کہ بازار میں رکھی ہوئی اشیاء پر ہر طرح کے لوگوں کی نظریں پڑتی ہیں۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: اَلعَیْنُ حَقٌّ یعنی نظر کا لگنا برحق ہے۔جب کسی نمائش شدہ کھانے پر کسی حریص یا بدنگاہ شخص کی نظر پڑتی ہے، تو اس کے باطنی اثرات اس غذا میں سرایت کر جاتے ہیں۔جب سالک وہ غذا کھاتا ہے، تو اس کے دل پر ظلمت چھا جاتی ہے اور اس کے اندر بھی گناہ کے تقاضے ابھرنے لگتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ خانقاہ میں سالکین کو اپنے ہی کھیتوں کا غلہ اور سبزیاں کھلاتے تھے۔سالکین خود ہی بیج بوتے، فصل کاٹتے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کرتے؛ یہی وجہ تھی کہ ان کے دل ہر وقت ذکرِ الٰہی سے مصفّٰی اور ''اللہ اللہ'' کرتے رہتے تھے۔

حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے بچپن میں کھیل ہی کھیل میں مسجد میں

آنے والے نمازیوں کے جوتے دائیں اور بائیں الگ الگ کردیا کرتے تھے۔ حضرت امام ربانیؒ کو تشویش ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کشف سے معلوم ہوا کہ بچے نادانستگی میں جنتیوں (اصحاب الیمین) کے جوتے دائیں طرف اور جہنمیوں (اصحاب الشمال) کے جوتے بائیں طرف رکھ رہے ہیں۔ بچوں میں اس قدر تیز مادۂ بصیرت دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب کا جواب دیا کہ ''ان بچوں کو بازار کی کوئی چیز کھلا دو، ان کا کشف کم ہوجائے گا۔'' غور کیجیے! اس دور کے بازار کی غذا کا یہ اثر تھا کہ وہ باطنی اڑان کو روک دیتی تھی، تو آج کے دور کی ہوٹل بازی اور بازاری غذائیں ایمان وروحانیت کا کیا حشر کرتی ہوں گی!

آج کل ''بفے سسٹم'' کے نام پر کھڑے ہوکر کھانے کا جو رواج چل پڑا ہے، وہ اسی زمرے میں آتا ہے۔ کھڑے ہوکر اس طرح کھانا جیسے چوپائے چر رہے ہوں، انسانی اقدار اور اسلامی تہذیب کے بالکل منافی ہے۔

دسترخوان کی ایجاد ہی اس لیے ہوئی ہے کہ کھانے کا اکرام اور احترام کیا جائے۔ دسترخوان کو کچرادان نہ سمجھا جائے، بلکہ سلیقے سے کھانا کھایا جائے، ہڈیوں کے لیے الگ پیالے رکھے جائیں تاکہ دسترخوان میلا نہ ہو۔ ایک مہذب انسان کے کھانے کی پہچان یہ ہے کہ فراغت کے بعد بھی دسترخوان ویسا ہی پاکیزہ اور مرتب نظر آئے جیسا کھانے سے پہلے بچھایا گیا تھا۔

جو سالکین تہجد میں اٹھنے کے عادی ہیں، انہیں اس وقت بہت ہلکا پھلکا کچھ لینے کا اہتمام کرنا چاہیے، پھر صبح کا ناشتہ، پھر گیارہ بجے کے قریب کچھ ہلکی غذا، پھر دوپہر کا کھانا، اور عصر یا مغرب کے بعد رات کا کھانا کھا کر فارغ ہوجانا چاہیے۔ اس کے بعد رات بھر کچھ نہ لیا جائے، زیادہ سے زیادہ ایک گلاس دودھ پیا جاسکتا ہے۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے دودھ کا استعمال لازم ہے۔

ہمارے حضرت جی قدس اللہ سرہ دودھ کے استعمال کی سخت تاکید فرماتے تھے اور ایک لطیف نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ '' کائنات کی تمام غذاؤں میں ''دودھ'' وہ واحد غذا ہے جسے نوش فرما کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کے ساتھ ساتھ (بدنی قوت میں) ''اضافے'' کی دعا سکھائی: ''اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ'' (سنن ترمذی/کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/حدیث: ۳۴۵۵)

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرمائیے اور ہمیں مزید عطا فرمائیے“۔

یہ فضیلت چائے یا کسی اور مشروب کو حاصل نہیں۔ بعض لوگوں کو دودھ کی بو پسند نہیں ہوتی، وہ اس میں کوئی مناسب ہیلتھ پاؤڈر ملا کر پی سکتے ہیں۔ حضرت جی قدس سرہ فرماتے تھے کہ ”دودھ میں شہد ملا کر پینا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ شروع میں اس کا ذائقہ کچھ عجیب محسوس ہوتا ہے، مگر انسان جب عادی ہو جائے تو یہ نہ صرف لذیذ لگتا ہے بلکہ جسم و دماغ کو بے پناہ طاقت دیتا ہے۔“

بناؤ سنگھار کا شوق اور ظاہر و باطن کا فرق:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

(۳) بناؤ سنگھار کا شوق: دل کو تشویش اور الجھن میں ڈالنے والی چیزوں میں سے ایک بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کا شوق اور اس کا اہتمام بھی ہے، اس لیے ہر وقت اپنے بدن اور کپڑوں کی آراستگی میں مشغول نہیں رہنا چاہیے، صفائی ستھرائی کا ضروری لحاظ کافی ہے، البتہ بلا اہتمام عمدہ لباس میسر آجائے اور اس کے استعمال سے غرور و نخوت پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر استعمال کر لینا چاہیے۔

تشریح:

تشویشِ قلبی اور انتشارِ ذہنی کا ایک سبب بناؤ سنگھار کا شوق ہے، اس کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رہے کہ اپنے آپ کو ”میینٹین“ (مرتب) رکھنا اور اپنے آپ کو ”ایکسپوز“ (نمائش) کرنا، دو بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ میینٹین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان میلے کچیلے کپڑے نہ پہنے، صاف ستھرا لباس اختیار کرے، لباس استری شدہ ہو اور چہرے پر میل کچیل نہ ہو۔ یہ تو عینِ اسلام ہے۔

لیکن اس کے برعکس، بناؤ سنگھار، میک اپ اور بیوٹی پارلرز کے چکر میں پڑ جانا، جو اب ماشاءاللہ مردوں میں بھی عام ہو چکا ہے، تشویشِ قلب کا ایک بڑا سبب ہے۔ یہ زیب و زینت کا خبط دل کو مستقل الجھن میں رکھتا ہے۔ یہ بات خواتین کے لیے بھی خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بدن، لباس اور آرائش کے چکر میں مشغول نہ رہیں۔

صفائی ستھرائی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لیکن ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یہ سوچنا کہ ”یہ کپڑا ایسا ہے، وہ ویسا ہے، یہ میچنگ نہیں ہو رہی، اس کی چمک کم ہے، اس کے بیل بوٹے خراب ہیں“، یہ افراط و

تفریط دل کو یکسوئی سے محروم کر دیتی ہے۔ اگر بغیر کسی خاص اہتمام اور تکلف کے عمدہ لباس میسر آجائے اور اس کے استعمال سے دل میں غرور و تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو اسے اللہ پاک کی نعمت سمجھ کر پہن لینا چاہیے، مگر اسے زندگی کا مقصد نہیں بنا لینا چاہیے۔ جو شخص ہر وقت اپنی ظاہری نمود و نمائش کے سحر میں مبتلا رہے گا، بھلا اسے باطنی مراقبے اور آہِ سحر گاہی کی توفیق کیسے نصیب ہوگی؟ اس لیے بناؤ سنگھار اور ظاہر سازی کے نشہ سے نکل کر باطنی اصلاح اور روحانی تربیت پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

مال کی حرص اور اس کو جمع کرنے کی فکر:

ایک اور سبب کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

(۴) مال کی حرص اور اس کو جمع کرنے کی فکر بھی تشویشِ قلب کا سبب ہے، پھر جیسے جمع کی فکر دل کو پریشان رکھتی ہے، اسی طرح جمع شدہ مال کو لٹا دینا بھی تشویشِ قلب کا سبب ہے، حریص تو ہر وقت اسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ مال کیسے اور کہاں کہاں سے جمع کروں؟ فضول خرچی کر کے پیسہ ختم کر لینے والا ختم ہو جانے کے بعد سخت ذہنی تناؤ اور انتشارِ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے دونوں باتیں مضر ہیں۔

تشریح:

مال کی حرص اور اسے سمیٹنے کی دھن انسانی روح کے لیے ایک مہلک مرض ہے۔ جب انسان کے اندر بخیلی اس حد تک سرایت کر جائے کہ وہ مال کا طواف کرنے لگے اور اسے جائز جگہوں پر بھی خرچ نہ کرے، تو دل مستقل اضطراب کا شکار رہتا ہے۔

جہاں مال کو جمع کرنے کی فکر دل کو پریشان رکھتی ہے، وہیں دوسری طرف بغیر سوچے سمجھے مال کو لٹا دینا اور فضول خرچی کرنا بھی تشویشِ قلب کا سبب ہے۔ جو شخص اندھا دھند پیسہ بہاتا ہے، وہ بعد میں بیٹھ کر کڑھتا ہے کہ ''کل میرے پاس پچاس لاکھ تھے، آج صرف پندرہ لاکھ رہ گئے، اتنی بڑی رقم ایک دن میں کہاں چلی گئی؟'' اور پھر وہ شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔

اسی لیے کائنات کے سب سے متوکل انسان، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات کو سوتے وقت اپنے پاس ایک درہم یا دینار بھی رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ چناں چہ (تبوک سے واپسی میں آپ کو جب احد پہاڑ نظر آیا تو آپ نے فرمایا:) ''میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ احد پہاڑ سونے کا ہو جائے

تو اس میں سے میرے پاس ایک دینار کے برابر بھی تین دن سے زیادہ باقی رہے، ہاں وہ ایک دینار جس کو میں محفوظ رکھوں قرض کے لیے۔" مَا أُحِبُّ أَنَّهُ يُحَوَّلُ لِي ذَهَبًا يَمْكُثُ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا دِينَارًا أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ۔ (صحیح البخاری/کتاب الاستقراض/حدیث: ۲۳۸۸)

ایک روز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دراہم سے بھرے دو تھیلے پیش کیے گئے، جن میں کم وبیش اسی ہزار یا ایک لاکھ درہم موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت ایک طشتری منگوائی اور اپنا دامنِ جود وسخا پھیلا کر محتاجوں اور ضرورت مندوں میں رقم تقسیم کرنا شروع کر دی۔

عجیب شانِ استغنا تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا اس دن روزے سے تھیں، مگر بخشش کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔ شام ہوتے ہوتے دراہم کا وہ ذخیرہ ختم ہو گیا اور دستِ مبارک میں ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔

افطار کا وقت ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیز سے افطاری لانے کو کہا، جو خدمت میں خشک روٹی اور زیتون کا تیل لے آئی۔ اس بے نیازی کو دیکھ کر امِ ذرہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے عرض کیا: ''اے ام المؤمنین! کاش! آج تقسیم کیے گئے مال میں سے ایک ہی درہم بچا لیتیں، تاکہ ہم افطار کے لیے تھوڑا سا گوشت ہی خرید لیتے!''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے غایت درجہ سادگی اور محویت سے جواب دیا: ''مجھے ملامت نہ کرو، اگر تم مجھے اس وقت یاد دلا دیتیں تو میں تمہارے لیے کچھ رکھ لیتی۔''

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابونعیم الاصفہانی: جلد: ۲، روایت: ۱۴۷۱)

ہمارے لیے اس مقامِ عالی پر عمل کرنا اگرچہ ناممکن ہے اور شریعت ہم سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم مال کی حرص میں مبتلا ہو کر دن رات پریشان رہیں۔ حریص شخص ہمیشہ اسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ دولت کہاں سے اور کیسے سمیٹی جائے۔

مال کے تعلق سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، قرآنِ عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا

(سورۃ الاسراء، آیت: ۲۷)

ترجمہ: "بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی

ناشکرا ہے"۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ لطیف نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ فضول خرچی انسان کو بالآخر اللہ تعالیٰ کا ناشکرا بندہ بنا دیتی ہے۔ جب انسان فضول جگہوں پر پیسہ بہا دیتا ہے، تو بعد میں اپنی جائز ضروریات کے وقت اللہ پاک کی ناشکری کرنے لگتا ہے کہ "میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔"

'اسراف' کا لفظ ہمارے عرف میں اگرچہ کثیر الاستعمال ہے؛ لیکن لفظِ اسراف کا مطلب یہ ہے کہ مال کو بے ضرورت اور بے محل (غلط جگہ) خرچ کیا جائے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ دس روپے کی جگہ بیس روپے یا سو روپے کی جگہ پانچ سو روپے خرچ کرنا اسراف ہے۔ اگر اسراف کی یہ تعریف مان لی جائے تو پھر دنیا کے بڑے بڑے اولیاء کی ولایت خطرے میں پڑ جائے! کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ "حضرت! سو روپے کی گھڑی سے بھی تو وقت دیکھا جا سکتا تھا، آپ نے کلائی پر ہزار روپے کی گھڑی کیوں باندھی؟ نو سو روپے اسراف ہو گئے!"

ایسا ہرگز نہیں ہے۔ شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اللہ پاک نے آپ کو وسعت دی ہے تو آپ ایک لاکھ کی گھڑی بھی پہنیں، کوئی آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا، بشرطیکہ آپ کے اندر پانچ لاکھ روپیہ اللہ پاک کی راہ میں مسکینوں کو دینے کی سکت اور تڑپ بھی موجود ہو۔ یہ نہ ہو کہ جب اللہ کی راہ میں دینے کی باری آئے تو انسان سست ہو جائے اور اپنی ذات پر لاکھوں لٹاتا رہے؛ یہ طرزِ عمل غلط ہے۔

اسراف اصل میں 'بے محل' خرچ کرنے کا نام ہے؛ جیسے سینما بینی پر، یا انٹرنیٹ کے غلط استعمال کے لیے پیکجز خریدنے پر پیسہ ضائع کرنا۔ اسی طرح، آج کل بڑے شہروں میں شادیوں پر جو لاکھوں کروڑوں روپے نمود و نمائش کے لیے بہائے جا رہے ہیں، وہ کھلم کھلا اسراف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں خرچ اور تکلف کم سے کم ہو۔"

(مشکوۃ المصابیح/کتاب النکاح/حدیث: ۳۰۹۷)

شادی بیاہ میں خرچ کی کوئی خاص مقدار متعین نہ کرنے میں شریعت کی یہ حکمت تھی کہ غریب سے غریب انسان بھی بہ سہولت نکاح کر سکے۔ اگر کسی کے پاس صرف پانچ ہزار روپے ہیں، تو وہ پانچ ہزار میں بھی سنت کے مطابق نکاح کر سکتا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں اپنے پاس ہمیشہ سو دو سو روپے (جو اس دور میں ایک معقول رقم تھی) جمع رکھتا ہوں، کیوں کہ اس سے میرا قلب مطمئن رہتا ہے اور فکری انتشار سے فارغ رہتا ہے۔ میرے ذہن میں یہ تسلی ہوتی ہے کہ وقتِ ضرورت مجھے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑے گا۔''

ہمارے معاشرے کے کچھ نادان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اصل ایمان اور توکل یہ ہے کہ جیب بالکل خالی ہو اور انسان کہے کہ ''جب ضرورت پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔'' وہ الٹا اولیاء اللہ کو توکل کا درس دینے لگتے ہیں۔ یاد رکھیے! شریعت میں جائز حد تک پیسہ جمع رکھنا ایمان کے خلاف نہیں، بلکہ پیسہ ایمان کی حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ جب انسان کے پاس حلال مال ہوتا ہے، تو وہ دنیا کی بہت سی محتاجیوں اور باطنی فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیا کا اصول ہے کہ مال کی کثرت اور چمک دمک کے سامنے بڑے سے بڑا جانی دشمن بھی تھوڑی دیر کے لیے 'سلام صاحب' کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عربی ادب کی مشہورِ زمانہ کتاب "مقاماتِ حریری" کے مصنف ابو زید سروجی نے پیسے کی طاقت کے بارے میں ایک عجیب جملہ لکھا ہے:

لَوْلَا التُّقٰی لَقُلْتُ جَلَّتْ قُدْرَتُهُ

ترجمہ: اگر دل میں اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو کہتا کہ تو ہی خدا ہے۔

لیکن اس طاقت کا مطلب یہ ہے کہ پیسے کو اللہ پاک کی مرضی کے تابع رکھا جائے؛ اسے غرور و تکبر، دوسروں کو حقیر سمجھنے، کسی کو ڈرانے یا غلام بنانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ یاد رکھیے، جو ذات دینا جانتی ہے، وہ چھیننا بھی جانتی ہے۔ قارون اپنے خزانے دیکھ کر فخر سے کہا کرتا تھا: إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي (سورۃ القصص، آیت: ۷۸)

ترجمہ: ''یہ سب مجھے میرے علم کے بل بوتے پر ملا ہے۔'' آج کے لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ ''یہ میری دن رات کی محنت اور خون پسینے کی کمائی ہے۔'' ایسا کہنا سراسر غلط ہے، یہ سب صرف اور صرف اللہ پاک کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ جب قارون نے یہ دعویٰ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: ''کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ پاک نے اس سے پہلے ایسے اچھے اچھے لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جو اس سے کہیں زیادہ طاقتور

اورصاحبِ ثروت تھے؟‘‘

خلاصہ یہ کہ شریعت میں خوب کمانا، مالدار بننے کی جائز خواہش رکھنا اور حلال طریقے سے کاروباری سلطنت کھڑی کرنا تصوف، سلوک اور سنت کے بالکل عین مطابق ہے۔

فرق صرف اس بات سے پڑتا ہے کہ آپ کماتے کہاں سے ہیں اور خرچ کہاں کرتے ہیں؟ کیوں کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ’’کل قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں انسان کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے، جب تک وہ پانچ بنیادی سوالات کے جوابات نہ دے دے۔ ان میں سے ایک اہم سوال مال کے متعلق ہے۔ حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ مال کے ایک سوال میں دراصل دو سوال چھپے ہیں:

(۱) مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ؟ (کہاں سے کمایا؟)

(۲) وَفِي مَا أَنْفَقَهُ؟ (کہاں خرچ کیا؟)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ نہیں پوچھیں گے کہ ’’تم نے اتنا زیادہ کیوں کمایا؟‘‘ یا ’’تمہارے پاس قارون جتنی دولت کیوں تھی؟‘‘ اعتراض کثرتِ مال پر نہیں، بلکہ ذریعۂ مال پر ہے۔ اگر زیادہ کمانا برا ہوتا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو منع فرما دیتے کہ ’’تم شام تک اتنی بڑی بین الاقوامی تجارت کیوں پھیلا رہے ہو؟ دو روٹی پر قناعت کرو۔‘‘ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نہیں روکا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ جب مدینے میں داخل ہوتا، تو اونٹوں کی اتنی لمبی قطار ہوتی تھی کہ اس کا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رہبانیت اختیار نہیں کی، بلکہ دنیا کی بڑی بڑی منڈیوں پر سنت کے مطابق تجارت کر کے اپنے اخلاق کا سکہ جمایا اور دلوں کو فتح کیا۔ اسلام کے پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی تاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ افسوس کہ آج تاجر کہلانے والے مسلمانوں کے معاملات دیکھ کر غیر مسلم پناہ مانگتے ہیں۔ پس سالک کے لیے اعتدال کا راستہ یہی ہے کہ نہ تو دل میں مال کی حرص ہو اور نہ ہی زندگی میں فضول خرچی، بلکہ حلال مال کا ہونا جمعیتِ خاطر کا سبب ہے۔

دوستی اور دشمنی حدِ اعتدال میں ہو:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

(۵) دوستی اور دشمنی سے بھی سالک کو دور رہنا چاہیے، کیوں کہ دوستی دشمنی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، دوستوں کو راضی رکھنے کے لیے ذہن مشغول ہوجاتا ہے، دشمنوں کی جانب سے بھی قلب طرح طرح کی فکروں میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس لیے نہ دوستیاں بڑھائے نہ کسی سے دشمنی پال لے، بس سب کے ساتھ اچھے اخلاق اور خلوص کے ساتھ بقدرِ ضرورت تعلق رکھے اور اپنے کام میں لگا رہے۔

تشریح:

بیعت کا اصل مقصد نفس کی اصلاح، باطن کی تربیت، اور اس غرض کے لیے شیخِ کامل کے ساتھ مستقل رابطہ استوار رکھنا ہے۔ لیکن یاد رکھیے! اصلاح و تربیت کی اس نورانی شاہراہ پر جو چیز سب سے بڑی دیوار بن کر کھڑی ہوتی ہے، وہ ''تعلقات کا مرض'' ہے۔ کثرتِ تعلقات وہ باطنی وبا ہے جو سالک کے ارادوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

راہِ حق کے مسافر کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اکیلے چلنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ تصوف کی دنیا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب تک مسافر مجمعے سے نظریں ہٹا کر اپنی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، وہ باطن کا سفر طے نہیں کرسکتا۔

پس سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ حد سے بڑھی ہوئی دوستیوں اور دشمنیوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ ان دونوں کے اپنے کچھ نفسیاتی تقاضے ہوتے ہیں جو دل کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔

جب دوستی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو انسان کا ذہن ہر وقت دوست کو راضی رکھنے، اس کی ضرورتیں پوری کرنے، اس کے ساتھ چائے پینے اور شام کا وقت گزارنے کی فکر میں مشغول ہوجاتا ہے کہ ''اگر میں نہ گیا تو دوست ناراض ہوجائے گا۔'' یہ کثرتِ تعلق باطنی یکسوئی کو کھا جاتا ہے۔ دوسری طرف، اگر کسی سے دشمنی پال لی جائے، تو دل ہر وقت اسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ ''وہ مجھے کب ملے گا تو میں بدلہ لوں گا، وہ کہاں جاتا ہے، کس سے ملتا ہے۔''

یہ دونوں حالتیں دل کو شدید تشویش اور ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں سالک کا باطنی سفر رک جاتا ہے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ سب کے ساتھ اچھے اخلاق، خلوص اور بقدرِ ضرورت تعلق رکھا جائے اور اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا جائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چالیس سالہ طویل تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ''جو طالبِ علم تعلقات کا مریض ہوتا ہے، وہ اپنی ذہانت، فطانت اور شوق کے باوجود بالآخر علمی دنیا میں برباد اور ناکام ہو کر رہتا ہے۔ اس کے برعکس، جو طالبِ علم کثرتِ تعلقات سے دور بھاگتا ہے، وہ فطری طور پر کم ذہن (غبی) ہونے کے باوجود کامیابی کی منزل پالیتا ہے۔''

یہی قاعدہ سالکینِ راہِ طریقت پر بھی صادق آتا ہے۔ تعلیم کی دنیا ہو یا تزکیہ کا میدان، دونوں مقامات پر غیر ضروری مراسم اور دوستیاں انسان کے حق میں ''سمِ قاتل'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ غیر ضروری تعلقات وقت کو ضائع کرتے ہیں، توجہ کو بگاڑتے ہیں اور دل پر ظلمت کا سبب بنتے ہیں۔ فارسی کا مشہور مقولہ ہے:

یارِ بد، بدتر بود از مارِ بد

(برا دوست، زہریلے سانپ سے بھی زیادہ خطرناک اور بدتر ہوتا ہے)

سانپ صرف انسانی جان لیتا ہے، جب کہ برا دوست انسان کا ایمان، وقت اور باطن سب کچھ غارت کر دیتا ہے۔

اگر جا بجا یہ شکایتیں آ رہی ہوں کہ فلاں تعلق باطنی یکسوئی میں خلل ڈال رہا ہے اور فلاں دوست یا دشمن ذکر و فکر سے غافل کر رہا ہے، تو اس کا واحد اور حتمی حل یہ ہے کہ ان تمام غیر ضروری تعلقات کا سلسلہ فوراً منقطع کر دیا جائے۔

ایک صاحبِ بصیرت بزرگ کا نہایت سنہرا اور مشہور مقولہ ہے: ''اللہ کے لیے (ابتدائی مرحلے میں) ساری مخلوق سے کٹ جاؤ۔ پھر جب اصلاح و تربیت کا مرحلہ مکمل ہو جائے، باطن مضبوط ہو جائے اور شیخِ کامل کی طرف سے اجازت مل جائے، تو پھر اللہ ہی کی نسبت پر اللہ کے بندوں سے جڑو۔''

واقعہ یہ ہے کہ سلوک کی ابتدا 'خلوت' اور 'انقطاع عن الخلق' (مخلوق سے کٹنے) سے ہوتی ہے، تاکہ دل کا ظرف پاک ہو سکے۔ جب اس ظرف میں معرفتِ الٰہی کا نور سما جاتا ہے، تو پھر شیخ کی اجازت سے بندۂ حق مخلوق کے درمیان رہ کر بھی ان سے الگ رہتا ہے۔ اس وقت اس کا جڑنا اپنی ذات یا

نفسانی غرض کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ مخلوقِ خدا کو خدا سے جوڑنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس، ابتدائی سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ تعلقات کے اس باطنی مرض سے خود کو بچائے اور اپنی توجہ کا مرکز صرف اپنے رب اور اپنے شیخ کو بنائے۔

کیوں کہ کثرتِ تعلقات کا شکار انسان دراصل تنہائی سے ڈرتا ہے اور دوستوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ لیکن مؤمن اور سالک کے لیے اللہ رب العزت کی ذات سے بڑھ کر کون دوست ہوسکتا ہے؟ قرآنِ کریم جابجا اس لازوال دوستی کا اعلان کرتا ہے:

(۱) اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

ترجمہ: "بے شک میرا پشت پناہ وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی"۔

(۲) اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ترجمہ: "اللہ پاک ان لوگوں کے دوست اور مددگار ہیں جو ایمان لائے"۔

(۳) وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ

ترجمہ: "اور اللہ پاک ایمان والوں کے کارساز اور حامی ہیں"۔

جب خالقِ کائنات کی دوستی اور اس کا ساتھ میسر آجائے، تو پھر مخلوق کی عارضی اور غرض مندانہ دوستیوں کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ اسی وجدانی اور صوفیانہ کیفیت کو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

مجھے دوست چھوڑ دیں، کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی، مجھے کل جہاں نہ پوچھے

اگر پوری کائنات بھی انسان سے رخ پھیر لے، تب بھی کوئی ملال نہیں ہونا چاہیے؛ شرط یہ ہے کہ کائنات کا مالک اپنے بندے سے راضی ہو اور اسے اپنے قرب کی خلعت سے نواز رہا ہو۔

خلاصۂ کلام:

آخر میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی تجربے سے جو امور ذہنی انتشار اور قلبی تشویش کا سبب بنتے ہوں اُن سے اپنے کو حتی المقدور بچائے رکھنے کی فکر بہت ضروری ہے، ورنہ ذاکرو

سالک اپنے مقاصد میں بہ آسانی ترقی کرنہیں پائے گا، البتہ جو پریشانیاں اور تفکرات اپنے اختیار کے بغیر من جانب اللہ پیش آجائیں اُن پر صبر وثبات سے کام لیتا رہے۔

تشریح:

ان تمام امور سے، جو ذہنی پراگندگی اور قلبی تشویش کا سبب بنتے ہیں، اپنے آپ کو بچانا ہی سلوک کی کامیابی ہے۔ اگر انسان خود اپنے اختیار سے اپنے دل کو پریشان کرے گا، تو باطنی منازل طے کرنا محال ہوجائے گا۔

البتہ، جو تکالیف اور مصائب انسان کے ارادے اور اختیار کے بغیر، خالصتاً من جانب اللہ پیش آئیں، ان پر واویلاہ کرنے کے بجائے 'صبر' کا دامن تھامنا چاہیے۔ ایسی پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ خود سالک کے دل کو مضبوط فرمادیتے ہیں اور ظاہری طوفانوں کے باوجود باطن میں ایک عجیب سکون عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی حقیقت کو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ سمویا ہے ؎

ہمدم جو مصائب میں بھی رہتا ہوں خوش وخرم
دیتا ہے تسلی کوئی بیٹھا میرے دل میں

ایسے بندوں کے احوال کا منظر یہ ہوتا ہے کہ باہر چاہے کتنے ہی حوادث کے طوفان کیوں نہ ہوں، ان کے دل کے نہاں خانے میں جمعیت، سکون اور اطمینانِ کامل کی شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے۔

☆☆☆

سُلُوک کی ڈاک

سلسلہ نمبر (۶)

ہدایۃ السالکین

ضبط وترتیب: مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی

سوال نمبر (۱):

پہلے سبق (لطیفۂ قلب) پر مراقبہ کرنے کے بعد دوسرے سبق (لطیفۂ روح) اور تیسرے سبق (لطیفۂ سر) پر مراقبہ کی نیت اور طریقہ کیا ہے؟

جواب: پہلے سبق کی جو نیت اور جو طریقہ ہے یعنی یہ کہ اپنے دل کی طرف سر جھکا کر آنکھ بند کر کے متوجہ ہو اور نیت کرے کہ اللہ پاک کی رحمت آ رہی ہے، میرے دل میں سما رہی ہے، میرے دل سے گناہوں کی سیاہی اور ظلمت دور ہو رہی ہے اور میرا دل کہہ رہا ہے اللہ، اللہ، اللہ۔

بالکل اسی طرح دوسرے سبق میں دائیں طرف سر جھکا کر متوجہ ہو جائے اور نیت کرے کہ لطیفۂ روح اللہ، اللہ کہہ رہا ہے اور تیسرے سبق میں لطیفۂ سر کی طرف متوجہ ہو کر نیت کرے کہ لطیفۂ سر اللہ، اللہ کہہ رہا ہے۔ ایسے ہی باقی لطائف کی بھی نیت اور طریقہ ہوگا۔

سوال نمبر (۲):

ہر سبق پر کتنی دیر مراقبہ کرنا چاہیے؟

جواب: اس کے لیے وقت کی کوئی خاص متعین مقدار نہیں ہے۔ جس سبق پر جتنا زیادہ مراقبہ کریں گے، اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔ چاہے کوئی بھی سبق ہو۔

سوال نمبر (۳):

کیا سالکین آپس میں ایک دوسرے کے اسباق اور معمولات کے بارے میں دریافت کر سکتے ہیں؟

جواب: سالکین کو آپس میں ایک دوسرے کے اسباق اور معمولات کے بارے میں ہرگز دریافت نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر (اپنے شیخ کے علاوہ) کوئی پوچھے یا اصرار کرے تو اچھے عنوان سے معذرت کر لینی چاہیے۔ مثلاً: یہ کہیں: دعا فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے سلوک میں آداب کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور معمولات کا جیسا حق ہے، اس کے مطابق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سوال نمبر (۴):

کیا شیخ کی صحبت سے دور رہنے پر بھی رابطۂ قلبی کی نیت کر سکتے ہیں؟

جواب: رابطۂ قلبی کی نیت اصلاً تو اس وقت کی جاتی ہے جب شیخ کی صحبت میں رہیں یا شیخ کی مجلس میں حاضر ہوں لیکن اگر سالک کو شیخ سے مضبوط تعلق نصیب ہو جائے تو پھر شیخ کی صحبت سے دور رہنے پر بھی رابطۂ قلبی کی نیت کرنا درست ہے۔

شیخ سے مضبوط تعلق کی علامت یہ ہے کہ جس سالک کو شیخ کا خود بہ خود خیال آ رہا ہے، اس کے لیے صحبتِ شیخ سے دور رہنے پر بھی رابطۂ قلبی کی نیت کرنا درست ہے اور جس کو خود بہ خود شیخ کا خیال نہیں آ رہا ہے بل کہ بہ تکلف خیال لانا پڑے، تو ایسی صورت میں بہ تکلف رابطۂ قلبی کی نیت نہ کرے۔

سوال نمبر (۵):

کیا وقفے وقفے سے رابطۂ قلبی کی نیت کرنا درست ہے؟

جواب: درست ہے، لیکن بار بار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک مرتبہ نیت کر لینا کافی ہے۔ ہاں! اگر زیادہ وقفہ ہو جائے یا سو کر اٹھے ہوں تو پھر دوبارہ نیت کر لینی چاہیے۔

سوال نمبر (۶):

رابطۂ شیخ میں کمزوری کیوں ہوتی ہے؟

جواب: رابطۂ شیخ میں کمی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ گناہ کرنے کی وجہ سے معمولات کی توفیق نہیں ہوتی، معمولات کی توفیق نہیں ہوتی تو شیخ سے رابطہ نہیں ہو پاتا اور رابطے میں کمزوری کی دوسری

وجہ محبتِ شیخ میں کمی ہے۔ ورنہ محبت تو خود ہی انسان کو مجبور کر دیتی ہے محبوب کا در کھٹکھٹانے پر۔

سوال نمبر (۷):

کیا رات میں بستر پر لیٹے ہوئے رابطۂ قلبی کی نیت کر کے آرام کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر (۸):

شیخ سے رابطہ کر کے اپنے احوال برائے اصلاح و معمولات لکھنا چاہیے؛ لیکن کبھی کوئی بھی بات ذہن میں نہیں آتی۔ ایسے وقت رابطے میں تسلسل کے لیے کیا محض سلام اور دعا کی درخواست پر اکتفاء کر سکتے ہیں؟

جواب: ضرور کر سکتے ہیں اور ایسا کرنا بھی چاہیے۔

سوال نمبر (۹):

اپنا ایک حال عرض کر کے رہنمائی چاہتے ہیں؛ وہ یہ کہ کچھ دنوں سے ہم جدھر بھی دیکھیں ہمیں شیخ صاحب ہی نظر آتے رہتے ہیں اور ہم ان سے چپکے چپکے باتیں کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ مراقبہ کے دوران بھی ہم شیخ صاحب سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔

جواب: اصل میں اللہ پاک بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں۔ جب کسی سالک کو اپنے شیخ سے شدید محبت ہوتی ہے اور اس کا اپنے شیخ سے سچا تعلق ہوتا ہے تو کبھی کبھار وہ اس طرح کے احوال سے گزرتا ہے یعنی مختلف اوقات میں اس کو معیتِ شیخ کا احساس ہونے لگتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت درست ہے جب کہ غیر اختیاری طور پر ہو، اختیاری طور پر مراقبہ میں شیخ کا تصور کرنا بالکل بھی درست نہیں، بلکہ مراقبہ میں اللہ پاک کی طرف توجہ ہونی چاہیے نہ کہ شیخ کی طرف۔

☆☆☆

اصلاحی و تربیتی منظوم کلام

سلسلہ نمبر (۵)

نہیں طالب وہ جو رہبر سے خفا ہوتے ہیں

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

نہیں طالب وہ جو رہبر سے خفا ہوتے ہیں
کہیں عاشق میں بھی اندازِ جفا ہوتے ہیں

چھیڑ ہوتی ہے محبت میں یقیناً حضرت
ظلم ہے آپ جو اِس پر بھی خفا ہوتے ہیں

ان کی ہر بات میں ہے روحِ محبت پنہاں
جو ہیں نادان وہی ان سے خفا ہوتے ہیں

جو نہ تلخی میں بھی شیرینی کی لذت پائیں
ایسے نادان کہیں اہلِ وفا ہوتے ہیں؟

راہِ الفت میں قدم سوچ سمجھ کر رکھیں
سیکڑوں فتنے یہاں روز بپا ہوتے ہیں

وہ جو کہتے ہیں محبت ہی سے کہتے ہیں فقط
دُور کینہ سے بہت اہلِ صفا ہوتے ہیں

ناز اٹھاتے ہیں خوشی سے جو ہیں پابندِ نیاز
بس وہی بندۂ تسلیم و رضا ہوتے ہیں

جو سمجھتے ہیں محبت کو عداوت احمدؔ
بے وفا ہوتے ہیں اور اہلِ ہوٰی ہوتے ہیں

محبّت کیا ہے؟

محبت مرہمِ زخمِ نہاں ہے
محبت باعثِ تسکینِ جاں ہے

بَنا اسی سے ہی افسانہ جہاں کا
محبت ہی بنائے کُن فکاں ہے

محبت ہی جھکاتی ہے عدُو کو
محبت سے ہی قُربِ دوستاں ہے

محبت ہے طریقہ انبیاء کا
محبت رحمتِ ربِّ جہاں ہے

اسی کا حُسن ہے ہر ایک گُل میں
اسی کے دَم سے قائم گلستاں ہے

محبت گوہرِ نادر ہے منصورؔ
یہ دولت سب کو ملتی ہی کہاں ہے

(حضرت سیّد منصور غوری صاحبؒ)